”جو شخص دنیا سے پیار کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو ضرور نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دنیا کو ضرور بگاڑتا ہے، لوگو! دائمی کو عارضی پر ترجیح دو۔ (مشکوٰۃ شریف)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

”اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ (قرآن)

سہ روزہ دعوت
نئی دہلی

www.dawatonline.com

سید مودودیؒ
عہد جدید میں تحریک اسلامی کے امام
مفکر اسلام قائد تحریک اسلامی کی شخصیت اور افکار سے متعلق ایک بہترین کتاب
مرتب: فہیم الدین احمد
قیمت -/100 روپے
ناشر
اسلامی کتابوں کی دنیا
ھدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس
455۔ پرانی حویلی، حیدرآباد 2 انڈیا
Ph: 040-24514892, 66481637
E-mail:hudabook@yahoo.com
نوٹ: 100 روپے منی آرڈر روانہ کرنے پر پوسٹل چارجس فری
Zahed

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۵۳ ● ۱۰؍جون ۲۰۰۹ء ● 10 June 2009 ● چہارشنبہ ● ۱۶؍جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ ● قیمت =/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳؍ریال ● Posting: 8 June 2009 Monday ●

ایران پر خارج از امکان نہیں

واشنگٹن۔ اسرائیلی وزیر خارجہ کے اس بیان کے کچھ ہی دیر بعد کہ اسرائیل ایران پر حملے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اسرائیل کے وزیر دفاع ایہود بارک نے کہا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اسے پھر دہراتا ہوں کہ ہم ایران کے خلاف کسی بھی متبادل کو خارج از امکان قرار نہیں دے رہے ہیں۔ سبھی متبادل کھلے ہوئے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ کہا ہے کہ ایران کا یورینیم افزودگی پروگرام اسرائیل کی بقا کے لئے خطرہ ہے۔ اسرائیل اوباما انتظامیہ سے بات چیت کے ذریعے ایران کو جوہری ہتھیار بنانے سے روکنے کی کوشش کی حمایت کرتا ہے لیکن یہ ایک محدود وقت کے اندر ہونا چاہئے۔

نئی جنگ کیلئے اسرائیل کی تیاری

بیروت۔ حماس نے کہا ہے کہ اسرائیل کی جانب سے بڑے پیمانے پر فوجی مشقوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا جنگی جنون اب بھی برقرار ہے اور وہ نئی جنگ کے لئے اب بھی تیاری کر رہا ہے۔ حماس اور حزب اللہ کے ساتھ دو محاذوں پر شکست کے بعد اسرائیل اپنی فوج کا مورال بڑھانا چاہتا ہے۔ حماس کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے کسی بھی منصوبے کے خلاف عرب اور اسلامی ریاستوں کو متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ ادھر اسرائیلی اخبار یروشلم پوسٹ نے اسرائیلی انٹلی جنس کا وہ اعتراف شائع کیا ہے جس میں تسلیم کیا گیا ہے کہ حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ کو ۷؍جون کے انتخابات سے قبل قتل کرنے کا اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔

بے گناہ شہریوں کی ہلاکت

واشنگٹن۔ امریکی فوج کی تفتیش میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ گزشتہ مہینے مغربی افغانستان میں درجنوں شہریوں کی ہلاکت کی وجہ فضائی حملے کی غلطی تھی۔ افغان افسران نے اس واقعے میں مہلوکین کی تعداد دس بتائی تھی جبکہ افغان انسانی حقوق تنظیم نے ان کی تعداد ۹ بتائی ہے۔ واضح رہے کہ افغانستان میں بے قصور شہریوں کی ہلاکت کی وجہ سے غیر ملکی افواج اور افغانیوں کے درمیان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی ہے۔

ڈرون حملوں پر اظہار تشویش

جنیوا۔ اقوام متحدہ نے امریکی جاسوس طیاروں کے حملوں (ڈرون حملوں) اور ان میں شہریوں کی ہلاکت پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق نمائندے فلپ ایلسٹن نے یہاں اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل میں کہا ہے کہ امریکہ کو چاہئے کہ پہلے وہ اہداف کو نشانہ بنانے کا جواز پیش کرے، حملوں میں احتیاط برتے اور دنیا کو آگاہ بھی کرے کہ ان حملوں میں کتنے شہری مارے گئے ہیں۔

امریکی فوجیوں کی ہلاکت میں اضافہ

بغداد/کابل۔ افغانستان میں امریکی فوجیوں کی ہلاکتوں میں اضافہ ہوا ہے جبکہ عراق میں کمی آئی ہے۔ افغانستان میں امریکی فوج کے ترجمان کرنل گریگ جولین نے ایک بیان میں کہا ہے۔ ۲۰۰۸ء کے ابتدائی پانچ مہینوں میں مہلوکین کی تعداد ۳۶ تھی جبکہ اس سال یہ تعداد ۶۵ تک جا پہنچی ہے جبکہ عراق میں اب تک ۴۳ ہزار سے زیادہ امریکی فوجی ہلاک ہوچکے ہیں اور ۲۰۰۸ء میں ۱۲۲ امریکی فوجی ہلاک ہوئے۔

امریکہ اور مسلم دُنیا کے درمیان خوشگوار تعلقات ٹھوس عملی ثبوت چاہتے ہیں

امریکی صدر بارک حسین اوباما نے امریکہ اور اسلام کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو پاٹنے، تلخیوں کو دور کرنے اور نئے سرے سے تعلقات کو مضبوط کرنے کی ایک اور کوشش کی ہے۔ جب سے وہ صدر بنے ہیں عالم اسلام کے بارے میں وہ بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ حلف برداری کے بعد انھوں نے قوم سے جو خطاب کیا تھا اس میں بھی انھوں نے عالم اسلام سے بہتر تعلقات کا اشارہ دیا تھا، پھر انھوں نے ایک تفصیلی انٹرویو میں اپنے اس عہد کا اعادہ کیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اس سال اپریل میں ترکی کا دورہ کیا تھا تو وہاں کی پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ امریکہ عالم اسلام کے ساتھ حالت جنگ میں نہیں ہے اور مستقبل میں بھی ہم اسلام کے ساتھ کبھی برسرپیکار نہیں ہوں گے۔ اب انھوں نے اپنے دورۂ مشرق وسطیٰ کے دوران مصر کی قاہرہ یونیورسٹی میں جو تقریر کی اس میں بھی امریکہ اور مسلم دنیا کے درمیان پائی جانے والی غلط فہمیوں، تعلقات میں کشیدگی، تہذیبوں کے تصادم پر روشنی ڈالتے ہوئے نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا بلکہ امریکہ اور عالم اسلام میں تعلقات کا نیا دور شروع کرنے پر زور دیا۔

ترکی کے بعد عالم اسلام سے امریکی صدر بارک حسین اوباما کا یہ دوسرا خطاب تھا جس میں انھوں نے امریکہ اور عالم اسلام کے درمیان پائے جانے والے اختلافات اور نفرت و دشمنی کے جذبات کو ختم کرنے کی اپنے تئیں بھرپور کوشش کی ہے۔ پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ نے بھی اسے اسی انداز میں پیش بھی کیا۔ خود صدر بارک حسین اوباما نے بھی اپنی تقریر میں واضح طور پر یہ بات کہی کہ وہ مشرق وسطیٰ کا دورہ امریکہ اور مسلم دنیا میں تعلقات کے ایک نئے باب کا آغاز کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ برسوں کی بداعتمادی صرف ایک تقریر سے ختم تو نہیں ہوسکتی پھر بھی ہمیں ماضی کی تلخیوں کو فراموش کرکے خوشگوار تعلقات کے نئے عہد کی بنیاد رکھنی چاہئے۔ بداعتمادی اور اختلافات کو ختم کرنا چاہئے۔ وہ عالم اسلام کو کیا پیغام دینا چاہتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے السلام علیکم سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور مسلم دنیا کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان کے والد مسلم خاندان سے تھے، ان کے نام بارک حسین اوباما کو لے کر بہت کچھ کہا گیا لیکن انھوں نے نام میں کوئی تبدیلی نہیں کی، قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اسلام نے امن کا راستہ دکھایا ہے، روشنی دکھائی ہے، باہمی تکریم کا درس دیا، دنیا کو بہت کچھ دیا ہے اور مسلم فرقہ نے امریکہ کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے، اسلام امریکہ کا حصہ ہے۔

صدر بارک حسین اوباما نے اپنی تقریر میں ان تمام ممالک کا ذکر کیا جن سے عالم اسلام میں امریکہ کی شبیہ خراب ہوئی ہے، چاہے وہ فلسطین ہو یا اسرائیل، عراق ہو یا ایران اور افغانستان ہو یا پاکستان۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں امریکہ کی غلط پالیسیوں اور کارروائیوں کی وجہ سے اس کے تئیں مسلمانوں میں نفرت و دشمنی پیدا ہوگئی ہے اور اس پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے، امریکہ کی کارروائیاں بھی کچھ ایسی رہی ہیں کہ ان پر دوسری صلیبی جنگ یا تہذیبوں کے تصادم کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ انھوں نے فلسطین اور اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطینیوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی ہے۔ اسرائیل کا فرض ہے کہ وہ فلسطینیوں کی ضرورت کو سمجھے اور ان کو ان کا حق دے۔ یہودی بستیوں میں توسیع کو روکے، ہم آزاد فلسطینی مملکت کے حق میں ہیں لیکن یہ کہہ کر انھوں نے اپنا جھکاؤ اسرائیل کی طرف کرلیا کہ امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات اٹوٹ ہیں۔ اس کے بارے میں مسلمانوں کو اپنے خیالات ترک کرنے ہوں گے۔ یہودیوں پر جو ظلم ڈھایا گیا اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسرائیل خطہ سے کہیں جانے والا نہیں ہے۔ اس کے وجود کے قانونی حق کو قبول کرنا چاہئے۔

امریکی صدر نے عراق و افغان جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ اسلام کے خلاف کوئی جنگ نہیں لڑ رہا ہے۔ ہم ۲۰۱۲ء تک عراق خالی کردیں گے۔ افغانستان میں بھی ہم نہیں رہنا چاہتے۔ تاہم انھوں نے دونوں جنگوں کو جائز قرار دیا جبکہ صدر بننے سے قبل تک وہ عراق جنگ کے جواز کے خلاف تھے۔ انھوں نے اپنی انتخابی مہم میں اس کو اہم ایشو بنایا تھا۔ اب وہ اپنی باتوں سے انحراف کرتے ہوئے کہتے ہیں صدام حسین کا خاتمہ ضروری تھا جبکہ جنگ کا جواز سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے دور حکومت میں ہی غلط ثابت ہوچکا ہے۔ جہاں تک افغان جنگ کا تعلق ہے تو مسٹر اوباما بش سے زیادہ اس کے حامی ہیں۔ ایران کے بارے میں بھی انھوں نے تقریباً وہی باتیں کہیں جن کی رٹ سابق صدر بش لگاتے رہتے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بش ایران کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات کے سخت مخالف تھے جبکہ مسٹر اوباما ابھی تک زبانی طور پر کچھ لچک دکھا رہے ہیں۔ عملی طور پر تعلقات میں بہتری کے لئے ابھی تک کچھ نہیں کیا ہے۔ اوباما نے یہ بھی کہا کہ دہشت گردانہ کارروائیوں سے سب سے زیادہ بے قصور لوگ مارے جاتے ہیں اور انسانی حقوق کی پامالی ہوتی ہے جبکہ اس معاملہ میں عراق، ابوغریب جیل، خلیج گوانتانامو حراستی مرکز، یورپ میں امریکہ کی دیگر خفیہ جیلوں اور افغانستان میں امریکہ کا ریکارڈ نہ صرف خراب ہے بلکہ سب سے زیادہ داغدار اسی کا دامن نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ سے عراق و افغانستان میں نہ صرف لاکھوں بے قصور لوگ مارے گئے بلکہ انسانی حقوق کی پامالی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔

بہرحال امریکی صدر نے ایک بار پھر مسلم دنیا کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے نفرت و دشمنی اور اختلافات کو دور کرنے کی اپیل کی اور امریکہ کے بارے میں عالم اسلام کی جو سوچ ہے اس کو بدلنے کی کوشش کی، کچھ وعدے بھی کئے اور مسلمانوں و اسلام کے ساتھ یکجہتی کا اظہار بھی کیا۔ امریکہ میں مسلمانوں کے لئے رعایتوں کا اعلان کیا لیکن اس طرح کی باتیں وہ اپنی صدارتی انتخابی مہم سے ہی کرتے چلے آرہے ہیں۔ عملی طور پر انھوں نے ابھی تک کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا ہے کہ وہ واقعی مسلم دنیا کے ساتھ تعلقات میں بہتری اور دوستی کے حق میں ہیں۔ تہذیبی تصادم کو روکنا چاہئے اور عالم اسلام کے مسائل خصوصاً مسئلہ فلسطین کے حل کے تئیں سنجیدہ ہیں۔ مسلم دنیا کے تعلق سے اوباما کی طرف سے ابھی تک جو کچھ آیا ہے وہ باتوں سے زیادہ کچھ نہیں ہے تاہم ان کے انداز تکلم سے لگتا ہے کہ وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں، کم از کم سابق صدر بش کے دور میں امریکہ کی جو شبیہ تھی اس کو بدلنا چاہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ ایک موقع ان کو دیں اور ان کو آزما کر دیکھیں۔ عالم اسلام کو نہ تو زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونا چاہئے اور نہ ہی ان سے بہت زیادہ توقع کرنے کی ضرورت ہے۔ جس ماحول میں اوباما ہیں اور جس طرح مسلم دشمن عناصر، امریکی صدر کے مخالفین اور مغربی ذرائع ابلاغ ان کی باتوں سے جو غلط مطلب نکال رہے ہیں اور پروپگنڈہ کر رہے ہیں۔ مسلم دنیا کو اس پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ اوباما ان کے حلیف یا حمایتی نہیں بننے جا رہے ہیں۔ ان کے عملی اقدامات کا انتظار کرنا چاہئے تبھی ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ (ص ن)

اعلامیہ پر عمل کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے

مرکز میں برسراقتدار یوپی اے حکومت نے صدر جمہوریہ پرتبھا دیوی سنگھ پاٹل کے خطاب کے ذریعے اگلی میقات کے لئے اپنی ترجیحات اور لائحہ عمل کا اعلان کردیا ہے۔ بین الاقوامی امور میں ملک کی پالیسی، بین الممالک تعلقات کی نوعیت اور ملک کے داخلی ایشوز و مسائل کا اس خطاب میں احاطہ کیا گیا ہے۔ صدر جمہوریہ ہند نے کہا کہ دیرینہ معاملات سے رجوع کرنے اور خطے کی امکانی صلاحیت سے مکمل استفادہ کرنے کو یقینی بنانے کے لئے حکومت ہند ہمسایہ ممالک کے ساتھ سنجیدہ اشتراک کرے گی۔ صدر جمہوریہ ہند پرتبھا دیوی سنگھ پاٹل نے مشترکہ پارلیمانی اجلاس سے اپنے خطاب کے دوران کہا کہ حکومت پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو نئی شکل دینا چاہے گی جس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ اپنی سرزمین سے ہندوستان پر دہشت پسندانہ حملے کرنے والے گروپوں کے خلاف کارروائی میں پاکستان کتنی سنجیدگی اختیار کرتا ہے۔ صدر جمہوریہ ہند نے کہا کہ بین الاقوامی برادری کے ایک ذمے دار رکن کی حیثیت سے ہندوستان عالمی دہشت گردی اور دیگر تشویشناک معاملات سے نمٹنے میں دوسرے ملکوں کے ساتھ اشتراک کرے گا۔ سری لنکا میں ایسی ہر پہل کی تائید کی جائے گی جس کے نتیجے میں وہاں تنازعہ مستقل طور پر ختم ہوسکے اور تمام سری لنکائی خصوصاً تمل عوام کو مساوی حقوق ملنے کے ساتھ ان میں احساس تحفظ پیدا ہو۔ ہندوستان تنازعہ کے متاثرین کو پھر سے بسانے میں بھی مناسب تعاون کرے گا۔

نیپال اور بنگلہ دیش کے سلسلے میں صدر جمہوریہ نے کہا کہ ہندوستان باہمی مفاد کے مشترکہ تعلقات کا دائرہ وسیع کرنے کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے ان دونوں ممالک سے قریبی طور پر مل کر کام کرے گا۔ انھوں نے کہا کہ ان کی حکومت ہند، بھوٹان اور مالدیپ کے ساتھ قریبی اور متحرک شراکت کو بھی مستحکم بنائے گی اور افغانستان میں تعمیر نو کی مدد کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ صدر جمہوریہ ہند نے کہا کہ سارک میں شامل اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کو اولین ترجیح دی جائے گی تاکہ خطے میں استحکام، ترقی اور خوشحالی کو فروغ ملے۔ امریکہ کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں انھوں نے کہا کہ باہمی تعلقات میں بہتری کو برقرار رکھتے ہوئے ہند امریکہ ساجھیداری میں تغیر کو مزید تقویت پہنچائی جائے گی۔ روس کے ساتھ ہندوستان کے رشتے کو جو برسوں میں پروان چڑھا ہے اور بھی مستحکم بنایا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ یورپی ممالک اور جاپان کے ساتھ حکومت سفارتی کوششوں کو پائدار بنائے گی جن کی وجہ سے ۲۰۰۴ء کے بعد تعلقات میں خوشگوار تبدیلیاں آئی ہیں اور چین کے ساتھ کثیر جہتی تعلقات کا دائرہ بھی وسیع کیا جائے گا۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ حکومت ترقی پذیر ممالک کے ساتھ سبھی اشتراک کا سلسلہ جاری رکھے گی اور جلد از جلد فلسطینی حکومت کے قیام کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی ہر کوشش کا ساتھ دے گی۔ انھوں نے کہا کہ خلیجی ممالک کے ساتھ روایتی قریبی تعلقات کو اور مضبوط بنایا جائے گا۔ افریقہ کے ساتھ اولین ہند افریقہ چوٹی ملاقات سے متحرک رشتے کا دائرہ بڑھایا جائے گا۔ جنوب مشرقی ایشیائی، وسطی ایشیائی اور لاطینی امریکی ممالک کے ساتھ کثیر جہتی اشتراک کو بھی مستحکم کیا جائے گا۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ڈھائی کروڑ غیر اقامتی ہندوستانیوں کو ایک اہم اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی طاقت پر محمول کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ حکومت ان کے ساتھ معاملات کو اور مربوط بنائے گی۔

اقلیتوں کی بہبود کے سلسلے میں حکومت کے عہد کا اعادہ کرتے ہوئے صدر پرتبھا پاٹل نے کہا کہ اوقاف کی انتظامیہ کو مضبوط اور جدید بنانے کے ساتھ سفر حج کے نظم میں اصلاح کے اقدامات کئے جائیں گے اور ایک یکساں مواقع کمیشن قائم کیا جائے گا۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ حکومت اقلیتوں کی بہبود کو آئندہ بھی اولین ترجیح دینے کا سلسلہ جاری رکھے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اقلیتوں کی بہبود کیلئے وزیر اعظم کے پندرہ نکاتی پروگرام اور سچر کمیٹی کی سفارشات پر کی جانے والی کارروائی سے خاطر خواہ طور پر سرکاری وسائل، روزگار اور منصوبوں میں اقلیتوں کے منصفانہ اشتراک کو یقینی بنانے میں کامیابی ملی ہے اور ان کوششوں کو مزید مستحکم بنانے کے اقدامات کئے جارہے ہیں۔

مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہر کسی کو کھانے ملے اس کیلئے حکومت نیا قومی غذائی سیکورٹی ایکٹ بنائے گی۔ دیہی اور شہری علاقوں میں غریبی کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے والے ہر کنبہ کو ماہانہ پچیس کلو چاول، گیہوں تین روپے کلو دیا جائے گا۔ اس قانون کے توسط سے راشن کے نظام میں وسیع اصلاحات کی جائیں گی۔ کسانوں کو بیجا طور پر بے گھر ہونے سے بچانے کے لئے حکومت بجٹ اجلاس کے دوران قانونی پیش رفت دکھائے گی۔ خواتین کو بااختیار بنانے کے تعلق سے حکومت کے اقدام کے سلسلے میں صدر جمہوریہ نے کہا کہ خواتین کو صنفی فرق اور خواتین ہونے کی وجہ سے مختلف مواقع سے محروم ہونا پڑتا ہے اسلئے پنچایت اور بلدیاتی اداروں میں ریزرویشن بڑھا کر پچاس فیصد کرنے کیلئے آئندہ سو دن کے اندر آئین میں ترمیم کرنے کا قدم اٹھایا جائے گا تاکہ زیادہ سے زیادہ خواتین کو سرکاری شعبوں میں حصہ مل سکے۔ انھوں نے کہا کہ آئندہ سو دنوں میں مرکزی حکومت کی نوکریوں میں بھی خواتین کی نمائندگی بڑھانے کے لئے منظم طور پر کوششیں کی جائیں گی۔

صدر جمہوریہ نے اپنے خطاب میں عام

باقی صفحہ ۶ پر

بلا تبصرہ

عام جگہوں پر سگریٹ نوشی پر ہمارے یہاں گزشتہ ۲؍اکتوبر ۲۰۰۸ء سے پابندی لگی ہوئی ہے، یہ قانونی طور پر ممنوع ہے مگر شاید ہی کبھی حکام نے یہ دیکھنے کی تکلیف گوارہ کی ہوگی کہ اس پر عمل ہو بھی رہا ہے یا نہیں، لہٰذا قانون سازی کا مقصد ہی فوت ہوگیا۔ میرے خیال میں یہ بتانے کی اور اس کے خطرات سے آگاہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، یہ بھی ایک سوال ہے کہ کیا سگریٹ نوشی کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون بنانے کی واقعی ضرورت ہے؟ کس کو نہیں معلوم کہ سگریٹ نوشی صحت کیلئے مضر ہے، اصل ضرورت لوگوں کو اس کے لئے یعنی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار کرنے کی ہے۔
سی ایم آزدوانی، لکھنؤ
ہندوستان ٹائمز، ۵؍جون ۲۰۰۹ء

خبر و نظر

جزیہ کی وضاحت مفید تھی

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم سے کچھ مسلم رہنماؤں نے، جن میں علمائے کرام بھی تھے، ایک وضاحتی بیان ”جزیہ“ سے متعلق جاری کیا تھا۔ یہ بیان ان خبروں کے شور میں جاری کیا گیا تھا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ”طالبان“ غیر مسلموں یعنی ہندوؤں اور سکھوں سے زبردستی جزیہ وصول کر رہے ہیں۔ بیان میں جزیہ کی اصطلاح سے فقہی بحث کی گئی تھی۔ ہرچند کہ پاکستان سے آنے والی خبروں کے تناظر میں یہ بحث یا وضاحت غیر ضروری تھی، اس لئے کہ بیان میں ”طالبان“ کے ظلم و جبر کی خبروں کو درست تسلیم کرلیا گیا تھا جبکہ وہ تمام اطلاعات سراسر شرانگیزی پر مبنی تھیں۔ تاہم جزیہ کی بحث بجائے خود نہایت مفید اور معلوماتی تھی۔ اگر یہ وضاحت اس نوٹ کے ساتھ سامنے آتی تو زیادہ مفید نتائج کی حامل ہوتی کہ ”معلوم نہیں یہ اطلاعات کہاں تک درست ہیں، کیونکہ آزاد ذرائع سے ان کی تصدیق نہیں ہوپائی ہے نیز یہ یقین کرنا بھی مشکل ہے کہ دین کا علم رکھنے والے افراد اس طرح کی غیر دینی حرکات کا ارتکاب بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن چونکہ خبروں میں جزیہ کا لفظ استعمال کیا جارہا ہے، لہٰذا ہم اس اسلامی اصطلاح کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ غیر مسلم برادرانِ وطن کے ذہن صاف رہیں......“

یہ غلط فہمیاں پرانی ہیں

جزیہ، جہاد اور کافر جیسے الفاظ کے سلسلے میں غیر مسلمین کی بہت بڑی اکثریت غلط فہمیوں میں مبتلا رہتی ہے۔ اس میں اُس پروپگنڈے کو بھی دخل ہے جو ماضی میں اسلام مخالف حلقے اسلامی اصطلاحات کے خلاف بڑے پیمانے پر کرتے رہے ہیں۔ نام نہاد مستشرقین نے یہ کام بطور خاص کیا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی ان اصطلاحوں سے متعلق غلط فہمیاں انگریزوں کے ساتھ آئیں۔ طویل مسلم دور حکومت میں ان الفاظ کی بحث کبھی نہیں چھڑی۔ اس لئے نہیں کہ غیر مسلم رعایا حکمرانوں سے ڈرتی تھی بلکہ اس لئے کہ ان اصطلاحوں سے اسے کوئی پریشانی نہیں تھی، بلکہ عوام و خواص دونوں نامانوس تھے۔ انگریز حاکموں اور ان کے مستشرقین نے اہل ہند کو بتایا کہ دیکھو اسلام میں کتنی غلط باتیں ہیں۔ چنانچہ جزیہ اور جہاد کے خلاف لوگوں کا ذہن بننے لگا، غیر مسلمین لفظ کافر کو اپنے خلاف گالی سمجھنے لگے، اور آج بھی سمجھتے ہیں۔ مسلم علماء اور دانشوروں کی جانب سے ان الفاظ کی وضاحت اور تشریح برابر کی جاتی رہی ہے اور آج بھی کی جاتی ہے۔ موقع اور محل کے اعتبار سے یہ تشریح زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوتی ہے اور لوگوں کے اندر مزید جاننے کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔

یہی معاملہ کار دعوت کا ہے

یہی معاملہ کار دعوت کا ہے۔ اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف ہائی فائی عالمی پروپگنڈا جہاں مسلمانوں کو شدید ذہنی ایذا پہنچاتا ہے، وہیں ان کے لئے بہترین دعوتی مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔ اگر آپ اسلام کے کسی رکن کی تشریح یوں ہی اپنے طور پر کرنا شروع کردیں تو لوگ کوئی خاص توجہ نہیں دیں گے، لیکن اگر اس رکن پر کہیں سے اعتراض ہو یہاں تک کہ وہ میڈیا اور غیر مسلم حلقوں میں ملامت کا ہدف بن جائے اور پھر مسلم دانشور اس میں مداخلت کرکے معقول اور مدلل طریقے سے صحیح صورتحال پیش کریں تو اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آتے ہیں۔ ہمارے یہاں تشریح اور وضاحت ہوتی تو ہے لیکن وہ زیادہ تر اردو اخبارات کی حد تک محدود ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہماری جانب سے یہ بحث انگریزی، ہندی اور علاقائی زبانوں کے میڈیا میں آئے۔ چینلوں پر بولنے اور اخباروں میں لکھنے والے تیار کئے جائیں۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے جو ملت کو کرنا چاہئے۔ ہمارے وہ علماء، دانشور اور قائدین جنھوں نے اپنی پوری قوت و صلاحیت لوک سبھا کے حالیہ انتخابات میں جھونک دی تھی، فارغ ہوکر آرام کر رہے ہوں تو اب ذرا اس کام کے بارے میں بھی سوچ کر دیکھ لیں کہ کیا صورت ہوسکتی ہے (پ ر)

عورت کی ناز برداری اور عورت کی تذلیل

نیشنلسٹ کانگریس پارٹی کے لیڈر اور لوک سبھا کے سابق اسپیکر پی اے سنگما نے دس سال بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے یوپی اے کی چیئرپرسن سونیا گاندھی کے غیر ملکی ہونے کے سوال سے متعلق باب کو بند کرنے کا اعلان کیا ہے۔ انھوں نے سونیا گاندھی کی کوٹھی پر جاکر اس بیان کے لئے معافی مانگی جو انھوں نے ۱۹۹۹ء میں دیا تھا۔ یاد رہے کہ پی اے سنگما، شرد پوار اور طارق انور نے سونیا گاندھی کے غیر ملکی ہونے کا مسئلہ اٹھایا تھا۔ یہاں تک کہ تینوں لیڈروں کو کانگریس پارٹی سے خارج کردیا گیا تھا تب انھوں نے اپنی الگ نیشنلسٹ کانگریس پارٹی تشکیل دے لی تھی۔ سونیا گاندھی کے غیر ملکی نژاد ہونے کا مسئلہ ہندوتوادیوں نے بھی بڑے زور و شور سے اٹھایا تھا۔ بی جے پی اور آر ایس ایس نے اس سلسلے میں ایک بھرپور تحریک چلائی تھی جس سے نہ صرف سونیا گاندھی کی بلکہ پوری صنف نازک جنس عورت کی تذلیل و توہین ہوئی تھی۔ اس تذلیل میں بی جے پی آر ایس ایس، درگا واہنی اور سنگھ پریوار کی تمام چھوٹی بڑی کارکن اور لیڈر سرگرم تھیں۔ حتیٰ کہ آزادیٔ نسواں اور حقوق نسواں کی علمبردار تنظیموں نے بھی اس مہم کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جبکہ یہ صرف فرد واحد سونیا گاندھی کی ذات کا سوال نہیں تھا۔ یہ بھارتی تہذیبی اقدار تک محدود مسئلہ نہیں تھا۔ یہ عالمگیر سطح پر پوری نسل انسانی کے مسلمہ اصول کی توہین و تذلیل تھی۔ اس کی ہتک و رسوائی تھی۔

بھارت ورش اور ہندو دھرم و سماج میں عورت کو دیوی کا درجہ دیا جاتا رہا ہے۔ پاروتی ہو کہ درگا، سیتا ہو کہ کالی سرسوتی ہو کہ گنگا، لکشمی ہو کہ رادھا سب کو آدر و سمان کے ساتھ پوجا جاتا ہے اور بات صرف انھی مبینہ دیویوں تک محدود نہیں ہے ہر اس عورت کو جس کی عزت کی جاتی ہے، احترام کیا جاتا ہے اس کو دیوی ہی کہا جاتا ہے اور اس ملک ہی کی نہیں ساری دنیا کی یہ مسلمہ روایت ہے کہ شادی کے بعد عورت اپنی سسرال، شوہر کے گھر خاندان اور سماج کا حصہ ہوجاتی ہے۔ اس گھر خاندان کی عزت ہوجاتی ہے۔ اس ملک میں جہاں زمانۂ قدیم سے ذات برادریوں کا جال پھیلا ہوا ہے آج کے ماڈرن زمانہ میں بھی عورتیں شادی ہوتے ہی اپنا نام بدل لیتی ہیں۔ سرنام تبدیل کرلیتی ہیں۔ اپنے آباء و اجداد کی جگہ سسرالی نام اور ذات برادری سے پہچان بناتی ہیں۔ یہاں کی روایات کے مطابق تو شادی کے بعد ڈولی اٹھتے ہی اپنے باپ دادا کے گھر سے تعلق اور رشتہ ناطہ ہی منقطع ہوجاتا ہے کہ سسرال میں جہاں ڈولی آئی ہے اب وہاں سے ارتھی ہی باہر نکلے گی۔ قندھار سے قندھاری آگئی تو کورو

باقی صفحہ ۶ پر

شمالی کوریا کا دوسرا ایٹمی تجربہ

اختر علی

شمالی کوریا نے ۲۵ر مئی کو زیر زمین دوسرا ایٹمی دھماکہ کرکے عالمی برادری کو ایک مرتبہ پھر گہری تشویش میں مبتلا کردیا۔ شمالی کوریا دنیا کا وہ سوشلسٹ ملک ہے جس کا ایٹمی پروگرام گزشتہ کئی برسوں سے امریکہ، مغربی ممالک اور اقوام متحدہ کی جوہری توانائی کی ایجنسی کے لئے باعث تشویش اور باعث نزع بنا ہوا ہے۔ امریکہ شمالی کوریا کے ایٹمی پروگرام کا سخت مخالف ہے اور اسی سبب سے اس کو ''برائی کا محور'' قرار دے چکا ہے۔ دنیا کے جن چند ممالک کو امریکہ کی جانب سے برائی کا محور قرار دیا جاچکا ہے اُن میں ایران بھی شامل ہے۔

کیونکہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی دانست میں ایران بھی ڈھکے چھپے ایٹمی بم کے حصول کی تگ ودو میں مصروف ہے، جب کہ ایران کا یہ موقف ہے کہ اس کا ایٹمی پروگرام سو فیصدی پرامن اور سول مقاصد کے لئے ہے۔ اگرچہ ایران اور شمالی کوریا دونوں ہی ممالک کو ''برائی کا محور'' قرار دیا جاچکا ہے۔ مگر دونوں ممالک میں واضح فرق یہ ہے کہ شمالی کوریا کے پاس ایٹم بم موجود ہیں اور ۲۰۰۶ء کے بعد دوسال رواں میں ۲۵ر مئی کو دوسرا زیر زمین ایٹمی تجربہ بھی کرچکا ہے۔ جب کہ ایران کے پاس فی الوقت نہ تو ایٹم بم موجود ہیں اور نہ ہی تاحال اس نے کوئی ایٹمی تجربہ کیا ہے۔

شمالی کوریا کے دوسرے ایٹمی تجربے کو ۲۰۰۶ء میں کئے جانے والے پہلے ایٹمی تجربہ سے ۴ گنا زیادہ طاقتور قرار دیا جارہا ہے۔ دھماکے کے بارے میں عالمی تجزیاتی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس دھماکے کی شدت ۱۹۴۵ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے جانے والے ایٹم بموں کے برابر تھی۔ حالیہ دھماکے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس دھماکے کی قوت ۱۰ سے ۲۰ کلوٹن ہوسکتی ہے۔ کوریا کی مرکزی نیوز ایجنسی نے اس دھماکے کے بارے میں کہا کہ یہ تجربہ ملک کے دفاع کو مضبوط بنانے کی ایک کڑی ہے اور یہ تجربہ ہماری خودمختاری اور سوشلزم کو مضبوط بنانے اور علاقے میں امن کو یقینی بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔ شمالی کوریا نے ۲۵ مئی کو صرف ایٹمی تجربے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس تجربے کے چند گھنٹوں بعد ہی کم فاصلے تک مار کرنے والے تین میزائلوں کے تجربات بھی کئے جو کہ ۱۸۰ کلومیٹر کے فاصلے تک ہدف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد بھی شمالی کوریا نے وقفے وقفے سے مختلف میزائلوں کے تجربے جاری رکھے۔ شمالی کوریا کے عالمی دباؤ اور سخت مخالفت کے باوجود ایٹمی دھماکہ کرنے کے بعد عالمی برادری کا شدید ردعمل سامنے آیا۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس، چین، جاپان، جنوبی کوریا سمیت دنیا کے اکثر ممالک نے شمالی کوریا کے اس اقدام کی مذمت کی۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے شمالی کوریا کے ایٹمی دھماکے کی مذمت کرتے ہوئے اسے عالمی برادری کے لئے خطرہ قرار دیا۔ امریکہ کے صدر بارک اوباما نے شمالی کوریا کے اس اقدام کو انتہائی شرانگیز قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ امن پسند دنیا کو جنگ وجدل اور شرپسند ممالک کے خلاف اکٹھے ہوجانا چاہئے اور شمالی کوریا کو اس کی سزا دینی چاہئے۔

شمالی کوریا کے ایٹمی دھماکے اور میزائل تجربوں سے جو ممالک اپنی سلامتی کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں اور جنہوں نے اس اقدام پر شدید ردعمل کا اظہار کیا، اُن میں جنوبی کوریا اور جاپان سرفہرست ہیں۔ جنوبی کوریا نے شمالی کوریا کے ایٹمی تجربے کے بعد اپنی چھ لاکھ ۸۰ ہزار فوج کو ہائی الرٹ کردیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ نے اقوام متحدہ، جنوبی کوریا اور جاپان سے مل کر شمالی کوریا کے خلاف فوجی کارروائی کی خفیہ منصوبہ بندی شروع کردی ہے۔ اس سلسلے میں سلامتی کونسل کے ذریعے شمالی کوریا پر پہلے سے زیادہ سخت اور شدید پابندیوں کی قرارداد کو منظور کروانے پر کام جاری ہے۔ شمالی کوریا کو بھی امریکہ اور جنوبی کوریا کی جانب سے کسی ممکنہ کارروائی کا بخوبی اندازہ ہے اور ساتھ ہی شمالی کوریا نے جنوبی کوریا کے امریکہ کے ساتھ جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے لئے ''پرولیفریشن سکیورٹی انیشیٹو'' یعنی پی ایس آئی میں شمولیت کے اعلان پر اس کے خلاف سخت فوجی کارروائی کرنے کی دھمکی بھی دے دی ہے۔ شمالی کوریا نے متنبہ کیا ہے کہ اگر جنوبی کوریا امریکہ کی قیادت میں اس کے بحری جہازوں کی تلاشی کے آپریشن میں شامل ہوا تو جواب میں شمالی کوریا اس کے خلاف فوجی کارروائی کرسکتا ہے۔ شمالی کوریا کا کہنا ہے کہ اب ۱۹۵۳ء کا امن معاہدہ اس پر لاگو نہیں رہا ہے جس کے تحت کوریا جنگ ختم کی گئی تھی۔ پی ایس آئی منصوبے کی قیادت امریکہ کررہا ہے جس کے تحت جوہری مواد کی اسمگلنگ کو روکنے کے لئے مشکوک بحری جہازوں کی تلاشی لی جاسکتی ہے۔ شمالی کوریا نے اس منصوبے کے بارے میں کئی مرتبہ کہا ہے کہ اگر جنوبی کوریا اس منصوبے میں شامل ہوا تو یہ اعلان جنگ کے مترادف ہوگا۔ شمالی کوریا کے ایٹمی دھماکے کے بعد سمجھا جارہا ہے کہ روس اور امریکہ کے درمیان ایک بار پھر سرد جنگ کا آغاز ہوچکا ہے۔ عمومی طور پر یہ خیال کیا جارہا ہے کہ شمالی کوریا کے ایٹمی تجربے کے پیچھے روس کا ہاتھ ہے۔ رپورٹ کے مطابق ایٹمی تجربے کے بعد جنوبی کوریا اور جاپان کی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہوگئے ہیں، جس کا سامنا کرنے کے لئے ۲۸۵۰۰ امریکی فوجی جنوبی کوریا کی چھ لاکھ ۸۰ ہزار فوج کی مدد کے لئے تیار ہیں۔ آنے والے دنوں میں جاپان کی اوکی ناوا ایئر بیس پر ۱۲ جدید ۲۲ ایف لڑاکا طیارے تعینات کئے جائیں گے۔ روس نے اگرچہ دبے لفظوں میں شمالی کوریا پر تنقید کی ہے مگر اس نے کسی واضح موقف کو اختیار کرنے سے احتراز برقرار رکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی مغرب کو یہ یقین دہانی بھی کروانے کی کوشش کی ہے کہ وہ سلامتی کونسل سے شمالی کوریا کے خلاف کسی قسم کی قرارداد پاس کروانے کی کوشش کی مخالفت نہیں کرے گا۔

اس وقت جب شمالی کوریا انتہائی جارحانہ اور مشتعل رویے کا اظہار کررہا ہے امریکہ، جنوبی کوریا، جاپان اور اقوام متحدہ کے لئے انتہائی مشکل صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ وہ کس طرح شمالی کوریا کو اس کے جارحانہ اقدامات کا جواب دیں۔ تادم تحریر شمالی کوریا کے میزائل تجربوں کا سلسلہ جاری ہے اور اس طرح وہ ایٹمی تجربے کے بعد اب تک چھ شارٹ رینج میزائلوں کے تجربے کرچکا ہے اور ممکن ہے کہ آنے والے وقت میں شمالی کوریا مزید میزائل تجربے جاری رکھے۔ شمالی کوریا کے جارحانہ انداز کا ادراک اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ شمالی کوریا نے امریکہ، اقوام متحدہ اور جنوبی کوریا کو شمالی کوریا کے خلاف کسی ممکنہ حکمت عملی اختیار کرنے پر اُن کے خلاف انتہائی قدم اٹھانے کی دھمکی بھی دے دی ہے۔ گزشتہ ہفتے کئے جانے والے ایٹمی دھماکے کے بعد اقوام متحدہ شمالی کوریا کے خلاف سخت پابندیاں عائد کرنے پر غور کررہی ہے۔ ایٹمی تجربہ کرنے پر شمالی کوریا کو پوری دنیا کی جانب سے سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن شمالی کوریا کی دھمکیوں کے بعد امریکہ نے محتاط رویہ اختیار کرلیا ہے۔ گزشتہ دنوں سنگاپور میں امریکہ کے وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے شمالی کوریا کی دھمکیوں کے بعد اس کو مزید مشتعل ہونے سے روکنے کے لئے بیان دیا کہ شمالی کوریا کے حالیہ ایٹمی تجربہ اور بعد ازاں جنوبی کوریا کو ۱۹۵۳ء کی جنگ بندی کے حوالے سے دھمکیوں کے باوجود امریکہ مزید فوج جنوبی کوریا نہیں بھیجے گا۔ غالباً امریکہ اور اس کے اتحادی ''صبر کرو اور دیکھو'' کی پالیسی کے تحت یہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہے ہیں کہ شمالی کوریا مستقبل میں کیا پالیسی اختیار کرتا ہے اس کے ردعمل کے طور پر کس حد تک جواب دیا جاسکتا ہے۔

شمالی کوریا نے ۲۵ر مئی کو ملک کے شمال مشرقی شہر کلجو (Killju) میں جو ایٹمی تجربہ کیا اُس کے بارے میں تجزیہ نگاروں اور مبصروں کی مختلف آراء اور تبصرے سامنے آرہے ہیں۔ اس دھماکے کی ایک وجہ جو دفاعی تجزیہ نگاروں میں زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ شمالی کوریا حالیہ دھماکے کے بعد عالمی برادری سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اسے ایٹمی طاقت کی حامل ریاست تسلیم کرکے اسے ایٹمی ممالک کے گروپ میں شامل کرلے۔

بہت سے مبصروں کا کہنا ہے کہ دھماکے کرنے کے پیچھے شمالی کوریا کی یہ خواہش بھی کارفرما ہے کہ جنوبی کوریا کے صدر لی مائیونگ کی حکومت کو عدم استحکام کا شکار اور کمزور کیا جائے۔ جن کی شمالی کوریا کے حوالے سے پالیسی اپنے پیش روصدور کے مقابلے میں خاصی سخت اور غیر لچکدار ہے۔ تیسرا اہم پہلو اور وجہ جو حالیہ ایٹمی تجربے کے تناظر میں زیر بحث ہے، وہ یہ ہے کہ شمالی کوریا اپنے اوپر عائد پابندیوں کی وجہ سے سخت معاشی بحران سے دوچار ہے اور حالیہ ایٹمی دھماکے سے عالمی برادری پر دباؤ ڈال کر اور انہیں مذاکرات کی میز پر لاکر شمالی کوریا ڈونر ممالک سے انسانی بنیادوں پر امداد میں اضافے کا خواہاں ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف شمالی کوریا دنیا میں اہمیت اختیار کرجائے گا بلکہ اس طرح پیانگ یانگ کی قیادت کو ملکی سطح پر عوام اور جرنیلوں کی حمایت میسر آجائے گی۔ اس تناظر میں شمالی کوریا کے حالیہ اقدام کو خالصتاً صدر کم یونگ ال کی ذاتی خواہش سے منسوب کیا جارہا ہے۔

شمالی کوریا کے صدر اس وقت ۶۸ برس کے ہیں۔ جنہیں دوسال قبل شدید بیماری کے بعد صحت یابی نصیب ہوئی۔ حالیہ اقدام کے پیچھے کم یونگ ال کی یہ خواہش بھی کارفرما ہے کہ وہ اپنے ۲۳ ملین عوام کو یہ باور کراسکیں کہ ''ابھی تک حکمرانی کی مکمل صلاحیت اور سخت فیصلے لینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ اعتماد، حوصلہ اور سختی اپنے والد کم ال سونگ سے وراثت میں حاصل کی، جنہوں نے سرد جنگ کے دور میں بھی ملک کو مغربی ممالک کی شورشوں اور تھپیڑوں سے بچا کر کمیونزم کو جاری رکھا۔ شمالی کوریا ۱۹۴۸ء میں جنوبی کوریا سے علیحدہ ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں ۱۹۵۰ء میں شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان خوفناک جنگ بھی ہوئی تھی۔ شمالی کوریا کے صدر کم یونگ ال کی بیماری کے دوران کئی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں جس سے شمالی کوریا کی فوج اور کابینہ میں ہلچل پیدا ہوگئی تھی، جس کے جواب میں شمالی کوریا کے صدر کم یونگ ال نے اپنی ایک تہائی کابینہ میں تبدیلی کی۔ جس میں کابینہ کے بیشتر وزراء کو اپنی وزارتوں سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ اسی طرح شمالی کوریا کی ہائی رینکنگ فوج میں بھی تبدیلیاں کی گئیں۔ شمالی کوریا میں یہ افواہیں بھی گردش کرنے لگی تھیں کہ عنقریب صدر کم یونگ ال اقتدار اپنے بیٹے کو منتقل کرنے والے ہیں۔ کم یونگ ال کے تین بیٹے ہیں، یونگ ان سب سے چھوٹا بیٹا ہے جس کے بارے میں جنوبی کوریا نے دعویٰ کیا تھا کہ کم یونگ ال اس سال کے آخر تک اقتدار اپنے سب سے چھوٹے بیٹے یونگ ال کو منتقل کرنے والے ہیں۔ جس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ مزاج و کردار میں اپنے والد کم یونگ سے خاصے قریب ہیں۔

الغرض شمالی کوریا کے ایٹمی تجربے کے پیچھے وجہ کوئی بھی ہو۔ عالمی برادری کو اس حوالے سے بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا کیونکہ کوئی غلط اور جذباتی اقدام کسی نئے اور خوفناک المیے کو جنم دے سکتا ہے اور دوسرے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے عالمی سطح پر جو امتیازات موجود ہیں انہیں بھی ختم کرنا ہوگا اور دنیا کے ممالک کے مسائل کو برابری کی سطح پر حل کرنا ہوگا ورنہ اس نوعیت کے مسائل اور ایشو مستقبل میں بھی جنم لیتے رہیں گے۔

●●

عراقی سائنس داں اور ماہرین بھی نشانے پر

صبا ممتاز

عراق کو تباہ وبرباد کرنے میں امریکہ نے کسی حوالے سے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اُس نے عراق کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ چھیڑی اور عراق کے عوام کو جبراً ایک ایسی جنگ میں دھکیل دیا جو ہر طرف سے بند تھی۔ ایسے میں عراقی عوام کے لئے کچھ بھی نہ بچا، عراق کے حسین تاریخی شہروں کو برباد کردیا گیا۔ صرف عراق کے وسائل پر ہی ہاتھ صاف نہیں کیا گیا بلکہ عراق کے ذہین دماغوں اور سائنس دانوں کو صفحہ ہستی سے مٹادیا گیا۔ عراق کے پاس سوائے تباہی وبربادی کے کچھ بھی رہنے نہیں دیا گیا۔ ایک یورپی تنظیم نے اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ امریکہ نے عراق پر قبضے کے وقت سے لے کر اب تک ۴۱۸ سائنس دانوں کو قتل کیا ہے اور سائنس وٹیکنالوجی ماہرین کا بھی خاتمہ کردیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ عراق پر جنگ مسلط کرنے کے بعد کی منصوبہ بندی نہ تھی بلکہ اس کے بارے میں پلان بہت پہلے تیار کیا گیا تھا۔ یہ خوفناک سازش اسی منصوبے کا حصہ تھی جس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ عراق کے وسائل پر قبضہ اور عراق کے ذہین دماغوں کا خاتمہ کردیا جائے گا۔

اس منصوبے پر بڑی گہرائی کے ساتھ منظم طریقے سے عمل کیا گیا۔ ان سائنس دانوں کو پیشکش کی گئی کہ وہ عراق کے لئے نہیں بلکہ یورپی ممالک کے لئے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ وہ امریکہ، برطانیہ اور یورپی ممالک میں منتقل ہوکر اپنی خدمات جاری رکھیں اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال ان کے ممالک کے لئے کریں۔ ایسے میں جنہوں نے اس پیشکش کو قبول کرلیا اُن کے وارے نیارے ہوگئے۔ عیش وعشرت، یورپی ممالک میں سکونت پذیری، اُن کی زندگی حسین ہوگئی، مگر سب بے ضمیر تو نہیں ہوتے، جن کا ضمیر زندہ تھا اُنہوں نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا اور ضمیر کی آواز پر ڈٹ گئے۔ اُن کے لئے امریکہ ویورپ نے کوئی دوسرا راستہ نہیں چھوڑا، سوائے موت کے۔ کچھ تو ملک سے فرار ہوگئے مگر اس میں بھی اُنہیں بہت سے خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ، جنہوں نے یورپ کی پیشکش پر کان نہیں دھرا اُنہیں ملک سے فرار ہونے سے روکنے کے لئے سخت حفاظتی اقدامات کئے گئے۔ اُن کے فرار کے سارے راستے مسدود کردیے گئے اور ایک ایک کرکے اُنہیں موت کے منہ میں پہنچادیا گیا۔ اس کا ثبوت تحقیقاتی اداروں کی مرتب کردہ رپورٹس میں بھی ملتا ہے۔ ماہرین اور سائنس دانوں کی ایک بڑی تعداد گمشدہ ہے، اُن کا کچھ پتہ نہیں کہ اُن کو زمین کھا گئی یا آسمان۔ تحقیقاتی اداروں کے مطابق یہ سائنس دان اور ماہرین زندہ ہوں تو ان کے بارے میں پتہ چلے۔ ان سائنس دانوں کے بارے میں معلومات بڑی باریک بینی سے اکٹھی کی گئیں۔ ان کے بارے میں پتہ چلایا گیا پھر ان کو لاپتہ کردیا گیا یا لقمہ اجل بنادیا گیا۔ یہ کام بہت صفائی وہوشیاری اور چالاکی سے کیا گیا۔ اُن کے قتل یا گمشدگی کا الزام بڑی ہوشیاری سے مختلف تنظیموں پر لگادیا گیا، حتی کہ یہ بھی مشہور کردیا گیا کہ انہوں نے خودکشی کرلی۔ حکومت کا دعویٰ ہے کہ اُس نے ذہین دماغوں، سائنس دانوں، پروفیسروں اور ماہرین کی حفاظت کے لئے موثر اقدامات کررکھے ہیں۔

جب کہ حکومتی دعویٰ حقائق کے برعکس ہے۔ ظالمانہ سچائی تو یہ ہے کہ بہت سے سائنس دانوں کو حکومت نے خاص درخواست پر بلایا، انہیں کہا گیا کہ انہیں مکمل سکیورٹی اور تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ اُن کو بیرون ملک رہنے یا دوسرے ممالک کے لئے خدمات انجام دینے کی بجائے اپنے ملک کے لئے خدمات سرانجام دینی چاہئیں۔ اس طرح یہ سائنسدان اور ماہرین جلاوطنی ترک کرکے اپنے ملک آئے اور یہاں آکر موت اُن کا مقدر بن گئی۔ اس سازش کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔

موصل یونیورسٹی میں اقتصادیات اور مینجمنٹ کے پروفیسر ڈاکٹر مراد شہاب کو اغوا کے بعد سفاکی سے قتل کردیا گیا۔ ڈاکٹر شہاب حکومتی اصرار اور یقین دہانیوں پر اپنے ملک کے لئے خدمات سرانجام دینے کے لئے جلاوطنی ترک کرکے عراق آئے تھے۔ ہوسکتا ہے مالکی حکومت اس سے ناواقف ہو یا پھر وہ واقف حال ہو، مگر بات چاہے کچھ بھی ہو، مالکی حکومت واقف ہو یا نہ ہو، شریک حال ہو یا نہ ہو مگر وہ ان منصوبوں پر عمل کرنے کی مجاز ضرور ہے جو کہ تل ابیب اور واشنگٹن تیار کرتا ہے اور عراقی حکومت کو تھماتا ہے۔

ڈاکٹر مراد شہاب کے قتل سے چند ہفتوں قبل ایٹمی سائنس داں اسماعیل غلیلی جاسم تکریتی کو نہایت سفاکی کے ساتھ قتل کردیا گیا۔ جاسم تکریتی کو بھی حکومت بہت تعظیم وتکریم کے ساتھ وطن لائی تھی، مگر اُن کے ساتھ کیا ہوا؟ ان تمام حقائق کی تصدیق ایک عراقی سائنس دان ڈاکٹر نورالدین الربیعی نے جو تحقیقاتی اکیڈمی کے چیئرمین اور سائنسی تحقیقاتی کونسل یونین کے جنرل سکریٹری بھی ہیں، بھی کی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ ''امریکی حملے کے بعد سے اب تک عراق ۵۵۰۰ عراقی سائنس دانوں اور ماہرین سے ہاتھ دھوچکا ہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو ملک سے بھاگ کر مشرقی ایشیا اور مشرقی یورپی ممالک میں پناہ لئے ہوئے ہیں، جب کہ بیشتر وہ ہیں جن کو منصوبہ بندی سے قتل کردیا گیا۔ اُن کے قتل کو تشدد سے جوڑنے کی کوشش کی گئی۔ گزشتہ سال ۲۰۰۸ء کے اواخر تک ۳۵۰ عراقی سائنس دانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ تحقیقاتی اداروں کے ۲۰۰ سے زائد یونیورسٹی پروفیسروں، اپنے اپنے فن کے ماہرین کو لقمہ اجل بنایا گیا۔'' حقوق انسانی کی پامالی کی تنظیم کے اعداد وشمار کے مطابق ادارے کی تحقیقات کے مطابق ۲۰۰۳ء میں عراق پر قبضہ کے بعد سے کم از کم ۵۰۰ عراقی سائنس دانوں کو ختم کردیا گیا۔ ان کے قتل کے متعلق حقائق آج تک سامنے نہیں آسکے کہ انہیں کس نے قتل کیا۔ عراق میں جہاں جہاں بم دھماکے ہوئے ان میں بھی ان مقامات کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔ جہاں سائنسداں اور تعلیمی ماہرین اقامت پذیر تھے۔ عراقی سائنس دانوں، انجینئروں، اکیڈیمک افراد، اطبا اور جدید علوم کے ماہرین کو چن چن کر بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ یہ سب کچھ اتفاقیہ رنگ دینے کی کوشش تو کی گئی مگر یہ اتفاقیہ نہ تھا بلکہ سوچا سمجھا منصوبہ تھا، جس پر اُن کا صفایا کیا گیا۔ یہ کارروائیاں کس نے سرانجام دیں۔ کچھ تو کرائے کی ملیشیاؤں نے، کچھ سکیورٹی کے نام پر آئے ہوئے کرائے کے قاتلوں نے اور کچھ براہ راست امریکی وبیرونی افواج نے، لیکن یہ سب امریکہ کا کیا دھرا تھا اور ہے، اسے فرقہ پرستی، گروہ بندی سے منسوب کردینا درست نہیں۔ عراق کو نہ صرف سائنس دانوں اور ماہرین سے تہی دست کردیا گیا بلکہ عراق فوج کے بڑے بڑے افسروں، فوجی ماہرین، پائلٹ، انٹیلی جنس سربراہ اور ایران عراق جنگ میں حصہ لینے والے تمام پیشہ ور افراد کو قتل کردیا گیا۔

برطانیہ کے ایک اسکالر روبرٹ ویسیک کے مطابق مختلف ملکوں کی تقریباً ۱۵ انٹیلی جنس ایجنسیاں عراق کے علمی، سائنسی اور تحقیقی سرمائے کو ختم کرنے میں مصروف ہیں۔ جن میں اسرائیل کی انٹیلی جنس ایجنسیاں بھی ہیں۔ امریکی صدر جارج بش کے دور صدارت میں امریکی وزارت دفاع نے ایک رپورٹ میں انکشاف کیا تھا کہ موساد عراق کے سائنس دانوں اور ماہرین کو قتل کرنے پر عمل پیرا ہے۔

اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی موساد کو بم دھماکوں اور سرکردہ شخصیات کو قتل کرنے میں خصوصی مہارت وتجربہ حاصل ہے۔ عراق پر قبضے کے وقت سے ہی امریکہ نے یہود کے ساتھ مل کر عراقی دماغوں کے خاتمے کا منصوبہ بنایا تھا۔ موساد نے اپنی تمام تر توجہ عراق کے ایٹمی میدان کے ذہین وفطین دماغوں، مختلف علمی وسائنسی شعبوں کے ماہرین اور خصوصی شخصیات کے قتل پر مرکوز رکھی۔ ایسے سائنس دانوں اور ماہرین کی فہرست تیار کی گئی پھر ان کے لئے مکمل معلومات حاصل کی گئیں اور اُن کو چن چن کر ختم کیا جاتا رہا۔ امریکہ اس کا الزام ایران پر بھی لگاتا ہے۔ تجزیے وحقائق کے مطابق اسرائیل اس مسئلے میں زیادہ ملوث ہے۔ موساد کی مختلف شعبوں، اسرائیلی کمانڈوز اور ان کے خصوصی ڈیتھ کلنگ گروپ نے عراقی سائنس دانوں کے خاتمے پر توجہ دی۔ ملک کے ساتھ غداری نہ کرنے والوں کو موت کے منہ میں پہنچادیا گیا جو ملک سے فرار ہوگئے۔ اُن کی تلاش وتحقیق جاری ہے اور کسی بھی وقت اُن کو وطن بلا کر یا جہاں وہ ہوں وہیں مارا جاسکتا ہے۔ بعض ایسے سائنس

باقی صفحہ ۷ پر

نماز کی حقیقت

(مولانا) حذیفہ وستانوی، اکل کوا

اسلام کے ارکان پانچ ہیں: (بنی الاسلام علی خمس: شهادةُ ان لاَّ اِلٰهَ اِلاّ اللّٰه وَاقام الصلوٰة وَاِيتَاءِ الزَّكوٰةِ وَصَومُ رَمَضَانَ وَ حَجُّ الْبَيْتِ) کلمہ شہادت کا تلفظ کرنا، نماز کی پابندی اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔

ان میں تین میں عموم ہے یعنی ہر کس وناکس مسلمانوں پر فرض عین ہے اور دو اصحاب استطاعت کے ساتھ خاص ہے، نطق بالشہادۃ، اقامۃ الصلوٰۃ اور صوم رمضان یہ عام ہیں۔ زکوٰۃ اور حج، صرف اغنیاء کے اوپر فرض عین ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے یا نہیں؟ تو حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، البتہ ایمان کا اطلاق عام طور پر تصدیق قلب اور احوال باطنی پر ایمان ہوتا ہے، اور اسلام کا اطلاق عموماً ظاہری اطاعت اور عمل بالجوارح پر ہوتا ہے، خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری تحریر فرماتے ہیں کہ تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہوجائے تو اس کا نام اسلام ہے اور اسلام جب دل میں اُتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہوجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان کی ایک ہی حقیقت ہے، لیکن اختلاف مواطن سے اس کے نام مختلف ہوگئے، اور اگر ایمان صرف قلب ہی میں ہو اور اسلام محض اعضاء پر نمایاں ہو تو یہ مغائر حقیقتیں ہیں، اب ان میں اتحاد نہ ہوگا۔ (فیض الباری: ص۶۹) بحوالہ اسلامی عقیدے: ص۱۵۶-۱۵۷)

بہرحال ارکان ایمان کے اور ارکان اسلام دونوں میں سے کسی ایک رکن کا بھی انکار موجب کفر ہوتا ہے، البتہ انکار کی دو صورتیں ہیں: ایک زبان سے صراحتاً اور ایک عمل نہ کرکے، یہ بھی انکار کی صورت ہے، مگر اس پر صریح کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا، البتہ اگر بندہ استمرار کے ساتھ کسی فریضہ میں کوتاہی کرتا رہے اور اسی حالت میں موت واقع ہوجائے تو ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا ایمان کی تجدید کے لئے بار بار کلمۂ شہادت "اشهدان لا الٰه الا اللّٰه واشهدان محمداً رسول اللّٰه۔ اورلا الٰه الا اللّٰه اور ایمان مفصل اٰمنت باللّٰه وملائكته وكتبه ورسوله واليوم الآخر والقدر خيره وشره من اللّٰه تعالىٰ والبعث بعد الموت۔" وغیرہ کا ورد کرتے رہنا چاہئے۔ اسی طرح "رضيت باللّٰه ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا ورسولاً" کو بھی وقتاً فوقتاً پڑھتے رہنا چاہئے اور اسلام کو بچانے کے لئے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، خاص طور پر نماز کو تو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑنا چاہئے، نماز کے خاطر جان ومال، عزت کسی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ کیوں کہ مومن کے لئے سب سے بڑی پونجی ایمان، جو اسے اس کی جان ومال، آبرو اور عزت سب سے زیادہ محبوب ہونی چاہئے۔

ترک صلوٰۃ اور قرآن:

ترک صلوٰۃ اکبر الکبائر میں سے ہے کیوں کہ قرآن وحدیث میں اس کی انتہائی تاکیدیں واقع ہوئی ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: ''جس دن (یعنی قیامت کے دن) ساق سے پردہ اٹھایا جائے گا اور لوگوں کو (اللہ) کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے تو (مجرمین) سجدہ نہ کرسکیں گے۔ (سورہ قلم: ۴۲)

ابن القیم تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نماز نہ پڑھنے والوں کا شمار قیامت کے دن مجرمین میں ہوگا، اور قرآن کی اصطلاح میں مجرمین کا اطلاق کفار پر ہوتا ہے، اور وہ اللہ کے سامنے باوجود ہزار کوششوں کے سجدہ ریز نہ ہوسکیں گے، گویا ترک صلوٰۃ کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ، ص: ۳۴)

معلوم ہوا کہ جہنم میں انسان کو سب سے زیادہ جس چیز کے دنیا میں نہ کرنے کا افسوس ہوگا وہ نماز کے نہ پڑھنے کا، اسی لئے وہ کہے گا، جہنم میں آنے کی منجملہ اسباب کے ایک نماز کا ترک ہے اور وہ اس کو مقدم رکھے گا۔ لہٰذا اے لوگو! آؤ نماز کا اہتمام کرتے ہیں، قبل اس کے کہ ہمیں جہنم میں جانے کے بعد اس پر افسوس کرنا پڑے، جب کہ افسوس بے سود ہوگا۔ لہٰذا موقعہ ہے اس کو غنیمت جانیے اور آج سے پختہ عہد اور عزم مصمم کر لیجئے کہ انشاء اللہ نماز ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اور ایک مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

''پس اگر وہ لوگ توبہ کرلے اور نماز قائم کرنے لگے تو تمہارے دینی بھائی ہیں'' (التوبہ: ۱۱) صاحب اضواء البیان علامہ سنقیطیؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو لازم قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی نماز نہ پڑھے تو دینی بھائی ہی نہیں، گویا کافر ہوگیا، عمداً تغافلاً تساہلاً نماز ترک کرنا گویا باعث کفر ہے۔ (اضواء البیان ۴/۳۱۱)

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ کافر تو نہ ہوگا البتہ کفر کے قریب پہنچ جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ موت سے پہلے پہلے قضا اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں بغیر ایمان کے رخصت ہوجائے، اور کل قیامت کے دن اس بے نمازی کا کفار کے ساتھ حشر ہو۔

الغیٌّ، جہنم کی ایک وادی ہے جو خاص طور پر ان کے لئے بنائی گئی ہے جو عمداً نماز کو ترک کرتے ہیں۔ صاحب تعظیم قدر الصلوٰۃ فرماتے ہیں: "الامن تاب وآمن وعمل صالحاً" کہا تو معلوم ہوا کہ عمداً نماز کو ترک کرنے والا کافر ہوجاتا ہے، کیونکہ توبہ اور ایمان کے ساتھ ہی عمل صالح کی بھی شرط لگائی گئی ہے۔ (ہم کہتے، البتہ کافر تو نہ ہوگا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، اسے توبہ بھی کرنی ہوگی، اور آئندہ اس پر مداومت بھی)۔ (تعظیم قدر الصلوٰۃ: ۱۱۹)

ابن القیم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس آیت میں ایمان کی دوضدیں بیان کی: ایک نبی کی تصدیق نہ کرنا اور دوسرے نماز نہ پڑھنا۔ گویا عمداً نماز کو ترک کرنا کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ: ۳۸)

امام اسحاق ابن راہویہ فرماتے ہیں کہ جب ابلیس کو ایک سجدے کا حکم ہوا اور انکار پر اور سجدہ نہ کرنے پر کافر قرار دیا گیا تو جو شخص دن رات میں متعدد (فرائض وواجب نمازوں کے تقریباً چالیس اور سنن مؤکدہ کے چوبیس یعنی کل ۶۴) سجدے ترک کرے اس کے بارے میں بھی کفر کے علاوہ اور کونسا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ (التمہید: ۴/۲۲۶)

ذرا غور کیجئے! ہم مؤذن کے بار بار بلانے اور اللہ کے بار بار "اقيموا الصلوٰة" کہنے کے باوجود بھی نماز ادا نہ کریں۔ ایک ایک دن میں ۶۴، ۶۴ سجدے کرنے سے انکار کردیں تو کل ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یاد رکھو! قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

علامہ ابن نصر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک کی علامت نماز کو چھوڑنا ہے۔

فويل للمصلين کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعد ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب وقت پر نماز ادا نہ کرنے کی صورت میں ہلاکت کی بددعا دی جارہی ہے تو چھوڑنے کی صورت میں تو کفر کے سوا اور کیا ہوگا؟

تو معلوم ہوا کہ نماز کو اس کے وقت پر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا مکمل اہتمام کرنا فرض اور واجب ہے مگر افسوس عصر حاضر کے مسلمانوں پر کہ انہوں نے مادیت کے پیچھے دین کو اور دین کے اہم ستون نماز کو بھی خیر آباد کہہ دیا میرے دوستوں نماز چھوڑ کر ہم نہ دنیا میں کامیاب ہوسکتے ہیں اور نہ آخرت میں سرخ رو ہوسکتے ہیں ہماری دارین کی کامیابی کا مدار ہی نماز ہے، کوئی کچھ بھی کہے میرے خیال میں ہماری ذلت ونکبت اور تنزلی کا سب رئیسی اجتماعیت کا نماز سے تغافل اور تساہل ہے۔

ترک صلوٰۃ اور احادیث:

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ جو نماز کا اہتمام نہیں کرے گا اس کا حشر کل قیامت کے دن ہامان، فرعون اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (احمد، دارمی) یعنی جس طرح رؤساء کفار کو سخت سزا ہوگی اسی طرح نماز ترک کرنے والے رؤساء عصاۃ ٹھہرے، لہٰذا انہیں بھی سخت سزا ہوگی، یعنی مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخت سزا نماز ترک کرنے والوں کو ہوگی۔

ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ فرماتے ہیں: اگر ہم اپنے ایمان اور اسلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور دنیا وآخرت کے خسران سے بچنا

باقی صفحہ ۷ پر

دعوت

۱۰ رجون ۲۰۰۹ء

امریکی صدر کے دوریاستی فارمولے کا حشر

امریکی صدر بارک حسین اوباما نے قاہرہ سے مسلم دنیا کو خطاب کرتے ہوئے جہاں اور باتیں کہیں وہیں یہ بھی کہا کہ مسلم دنیا کو چاہئے کہ وہ مسئلہ فلسطین کے امریکی حل کو تسلیم کرلے اور ان کے مطابق اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ مسلم دنیا اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرلے اس کے عوض اسے ایک فلسطینی ریاست مل جائے گی۔ یعنی انہوں نے ارض فلسطین میں دو الگ الگ ریاستیں قائم کرنے کا فارمولہ پیش کیا ہے یہ کوئی نیا فارمولہ نہیں ہے۔ ان کے پیش روکی طرف سے بھی مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے جو امن روڈ میپ (نقشہ راہ) پیش کیا گیا تھا اس میں بھی یہ بات کہی گئی تھی، صدر اوباما نے اس کو دہرایا ہے۔ وہ مسلم دنیا سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ تنازعات کو حل کرنے میں ان کا ساتھ دے۔ ان کے بقول اس کی ابتداء یہیں سے ہونی چاہئے، ان کے پیش رو جارج بش نے دوسری مدت صدارت اپنے آخری دنوں میں ان پولیس بات چیت بھی کرائی تھی اور وہاں بھی اسی نقشۂ راہ پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس پیشکش پر غور کرنا اور اس پر بات چیت کو آگے بڑھانا تو بعد کی بات ہے پہلے تو یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کے سامنے اس کی عملی صورت کیا ہے، کیا وہ پہلے اہل فلسطین اور مسلم دنیا کو اس پر آمادہ کرنا اور اس سے یہ تسلیم کرانا چاہتے ہیں کہ وہ اسرائیل کے وجود کو مان لے، اس کے بدلے میں اسے ارض فلسطین کے ایک حصہ میں فلسطینی ریاست دی جاسکتی ہے۔ گویا ان کی یہ پیش کش مشروط پیش کش ہے، کیا ان سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اس عمل کے بعد اسرائیل نے فلسطینی ریاست کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو کیا امریکہ میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اسرائیل کو اپنا وعدہ نبھانے کے لئے مجبور کردے۔

اہل فلسطین اور مسلم دنیا کو اس پیشکش کی حقیقت معلوم ہے، یہ سراسر ناانصافی پر مبنی ہے، اس کے سامنے امریکہ اور اسرائیل کا کردار بھی ہے امریکہ نے اسرائیل کو وجود بخشنے میں جو کردار ادا کیا ہے کیا صدر اوباما یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلم دنیا کو اسے بھول جانا چاہئے اور بالکل فراموش کردینا چاہئے۔ پھر اسرائیل کی زیادتیوں اور مظالم کی جس طرح امریکہ کے حمایت کی ہے اور اس پر آنے والی ہر آنچ کو اپنے جسم پر برداشت کیا ہے۔ کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلم دنیا اس پر بھی خاموش ہوجائے، سراسر زیادتی پر مبنی اسرائیل کے ساتھ ''صلح'' کے جو معاہدے ہوئے ہیں، جن میں یک طرفہ طور پر اسرائیل کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن بدرجۂ مجبوری اسرائیل پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں کیا مسٹر اوباما کو نہیں معلوم کہ اسرائیل انہیں کبھی پورا نہیں کیا اور ہر موقع پر معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ کیا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلم دنیا کو اسے بھی بھول جانا چاہئے۔ خود اس پیشکش یعنی امن کے نقشۂ راہ کے بارے میں اسرائیل کا جو ردعمل سامنے آیا ہے خود اس نے اس کی ہوا نکال دی ہے۔ اسرائیل نے یہودی آبادیوں کے ''فطری پھیلاؤ'' کو روکنے سے صاف انکار کردیا ہے اور یہ حوالہ دیا ہے کہ اس سلسلہ میں امریکہ کے ساتھ اس کا معاہدہ ہوچکا ہے۔ اس دوران امریکہ کے اسرائیل نواز گروپ کی طرف سے ایک تجویز یہ بھی آئی ہے کہ امریکی صدر جس کو فلسطینی ریاست کہتے ہیں اس کو ایک اور شکل دی جاسکتی ہے، اس تجویز کے مطابق مغربی کنارہ تو اردن کو دے دیا جائے اور غزہ کی پٹی مصر کے حوالے کردی جائے یوں 'جھگڑے کی جڑ' کو ہی ختم کردیا جائے، ابھی تو صدر اوباما کی میٹھی میٹھی اور صاف صاف باتوں کی گونج فضا میں تحلیل بھی نہیں ہوئی تھی کہ خود انہی کے لوگوں نے اس ''امن فارمولے'' کی ہوا نکال دی، پھر صدر اوباما کس بات پر مسلم دنیا سے دست تعاون دراز کرنے کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔ خود صدر اوباما اپنی اس تقریر میں یہ واضح کرچکے ہیں اسرائیل کے معاملہ میں ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

کابینہ میں کم نمائندگی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہے

مسلمانوں کو نظرانداز کرنے کی پالیسی کے ساتھ منموہن سرکار کی جو ابتدا ہوئی ہے، اس سے اقلیتیں اور انصاف پسند لوگ خوش نہیں ہیں۔ اقلیتیں بھی نظرانداز کرنے کی پالیسی اپنا سکتی ہیں

وزیراعظم منموہن سنگھ کی کابینہ میں مسلم نمائندگی بڑھانے کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے۔ تازہ مطالبہ پارٹی کے سینئر لیڈر انل شاستری نے کیا۔ اطلاعات کے مطابق انہوں نے وزیراعظم منموہن سنگھ کے نام ایک مکتوب میں کہا ہے کہ اتر پردیش میں کانگریس اس لئے مضبوط ہوئی ہے کہ اقلیتی فرقہ نے بڑی تعداد میں پارٹی کو ووٹ دیا۔ اگر ہم اس رجحان کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو پارٹی کو اور زیادہ مسلم وزراء بنانے ہوں گے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ جب کانگریس کے کسی سینئر غیر مسلم لیڈر نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ کابینہ میں مسلمانوں کی کم نمائندگی ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔ خبر تو یہ بھی ہے کہ پارٹی کے اندر کئی اور لیڈر ہیں جو اس مسئلہ کو وزیراعظم منموہن سنگھ اور کانگریس کی صدر سونیا گاندھی کے سامنے اٹھا رہے ہیں اور یہ احساس دلانے کی کوشش کررہے ہیں کہ جمبو سائز کابینہ میں مسلمانوں کی کم نمائندگی سے غلط پیغام جارہا ہے۔ لیکن وہ کھل کر سامنے نہیں آرہے ہیں تاہم ان کے مطالبے اور بڑھتے ہوئے دباؤ سے حکومت اور کانگریس میں یہ مسئلہ موضوع بحث بنتا جارہا ہے۔

اگر وزیراعظم کی جمبو سائز کابینہ پر غور کیا جائے تو اس میں جہاں دلت وزراء کی تعداد بڑھا کر ۹ کردی گئی ہے، مسلم وزراء کی تعداد گھٹا کر پانچ کردی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پارٹی دلتوں کا زیادہ خیال رکھ رہی ہے اور مسلمانوں کو نظرانداز کررہی ہے۔ حکومت کی تشکیل کے وقت مسلمانوں کی مختلف تنظیموں، علماء اور دانشوروں نے آبادی کے لحاظ سے حکومت میں مسلمانوں کی شمولیت کا جو مطالبہ کیا تھا۔ پارٹی نے نمائندگی میں اور کمی کردی۔ ڈاکٹر منموہن سنگھ کی ٹیم میں صرف پانچ مسلم ہیں جن میں غلام نبی آزاد اور فاروق عبداللہ کابینہ درجہ کے وزیر ہیں۔ جب کہ سلمان خورشید وزیر مملکت آزادانہ چارج اور ای احمد اور سلطان احمد وزیر مملکت ہیں۔ اگر بات کانگریس کی جائے تو اس نے اپنے کوٹہ سے صرف دو مسلمانوں کو وزیر بنایا ہے ان میں سے ایک غلام نبی آزاد مرکزی وزیر ہیں جب کہ سلمان خورشید وزیر مملکت آزادنہ چارج ہیں۔ باقی تین تو اتحادی پارٹیوں نیشنل کانفرنس، انڈین یونین مسلم لیگ اور ترنمول کانگریس کے ہیں۔ ان تینوں کی شمولیت کو کانگریس کا کارنامہ نہیں کہہ سکتے۔ اگر حلیف پارٹیاں انہیں وزیر نہیں بنواتیں تو صرف دو ہی مسلم وزراء ہوتے۔

ایسی بات نہیں ہے کہ یوپی اے میں شامل پارٹیوں کے مسلم امیدوار کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ صرف کانگریس کے ٹکٹ پر ۱۲ مسلم اُمیدوار کامیاب ہوئے ہیں لیکن پارٹی نے ان میں سے صرف ایک سلمان خورشید کو وزیر مملکت (آزادانہ چارج) بنایا ہے۔ غلام نبی آزاد، ابھی پارلیمنٹ کے کسی ایوان کے رکن نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں پہلے کی طرح پھر راجیہ سبھا کا ممبر بنوادیا جائے غرضیکہ پارٹی نے اپنے باقی گیارہ مسلم ممبران لوک سبھا میں سے کسی کو وزیر کے لائق نہیں سمجھا۔ اس معاملہ میں حلیف پارٹیوں کا تناسب پھر بھی کچھ غنیمت ہے، دس کامیاب مسلم امیدواروں میں سے ایک کابینہ درجے کا وزیر اور دو وزیر مملکت بنادیئے گئے۔ کابینہ کی جس طرح تشکیل کی گئی اور مسلمانوں کو جس طرح نظرانداز کیا گیا ہے اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے تئیں حکومت کی پالیسی کیسی ہوگی۔

عام انتخابات سے قبل بٹلہ ہاؤس مینہ انکاؤنٹر کی انکوائری کی یقین دہانی کے باوجود اب اس سے انکار پھر کابینہ میں مسلمانوں کی کم نمائندگی مسلمانوں کی بے اطمینانی اور ناراضگی بڑھانے کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ حکومت یہ پروپیگنڈہ کررہی ہے کہ وہ اقلیتوں سے متعلق سچر کمیٹی کی رپورٹ نافذ کرے گی لیکن اس پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا۔ سابقہ حکومت میں نصف مدت تو اقلیتوں کے سماجی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی حالات کا جائزہ لینے میں گزرگئی، بڑی مشکل سے جب سچر کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی تو حکومت کی بقیہ نصف مدت رپورٹ کے نفاذ کی یقین دہانی میں گزرگئی۔ ایک بار پھر وہی یقین دہانی حکومت کرارہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اسی طرح کانگریس مسلمانوں کو نظرانداز کرتی رہی تو ۱۹۹۲ء کی طرح مسلمان بھی اسے نظرانداز کرنے لگیں گے اور اس سے دوری اختیار کرلیں گے، پارٹی بڑی مشکل سے بیساکھیوں کے سہارے ۲۰۰۴ء سے اقتدار میں آئی ہے خطرہ ہے کہ پھر ۱۹۹۶ء کی پوزیشن پر نہ چلی جائے گی۔ ●●

بلیو اسٹار کی برسی پر پنجاب میں پرامن احتجاج

امرتسر—ہندوستان کی ریاست پنجاب کے امرتسر شہر میں گولڈن ٹمپل پر حملے کی پچیسویں برسی کے موقع پر ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی اس موقع پر فوجی کارروائی کے خلاف پرامن مظاہرے کے گئے اور سخت گیر سکھ تنظیموں کی جانب سے کارروائیوں کے دوران مارے گئے لوگوں کی یاد میں ایک یادگار تعمیر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ان تنظیموں میں دل خالصہ، دم دمی ٹکسال اور اکالی دل (امرتسر) شامل ہیں۔ دل خالصہ کے ترجمان نے مطالبہ کیا ہے کہ ''سکھ تنظیم شرومنی گرودوارا پربندھک کمیٹی کو ان سبھی لوگوں کی یاد میں ایک یادگار تعمیر کروانا چاہئے جو پچیس برس قبل آپریشن بلیو اسٹار میں مارے گئے تھے۔ یاد رہے کہ پچیس برس قبل پانچ جون کو بھارتی فوج سکھوں کے مقدس مقام گولڈن ٹمپل میں داخل ہوگئی تھی اور کافی خون خرابہ ہوا تھا۔ فوجی کارروائی کی سربراہی کررہے لفٹیننٹ جنرل کے ایس براڑ کے مطابق آپریشن بلیو اسٹار میں کم از کم تین سو شدت پسند اور سو فوجی ہلاک ہوئے تھے۔ اس کارروائی کے دوران سکھوں کی مذہبی امور سے متعلق تنظیم اکال تخت کی عمارت تباہ ہوگئی تھی۔ یہ خصوصی تقریب سکھوں کے سب سے بڑے مذہبی گروپ سکھ پارلیمنٹ کی جانب سے منعقد کی گئی، جس میں پنجاب کے دیگر علاقوں سے آئے عقیدت مندوں کے علاوہ سیاسی اور مذہبی سکھ تنظیموں نے بھی شرکت کی۔

پچیس برس قبل ہندوستان کی فوج نے گولڈن ٹیمپل میں مورچہ لئے ہوئے شدت پسندوں کو پکڑنے کے لئے مندر کے اندر داخل ہوگئی تھی۔ اس آپریشن کو ''آپریشن بلیو اسٹار'' کا نام دیا گیا تھا۔ اس کارروائی کا حکم اس وقت کی وزیراعظم اندرا گاندھی نے دیا تھا جنہیں بعد میں خود ان کے سکھ ذاتی محافظ نے قتل کردیا تھا۔ یہ اندوہناک واقعہ ۳۱ راکتوبر ۱۹۸۴ء کو پیش آیا تھا جس کے بعد پورے ملک میں سکھوں کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی تھی اور سکھ مخالف فسادات بھڑک اٹھے تھے جس میں تقریباً تین ہزار سکھ مارے گئے تھے دریں اثناء اس موقع پر امریکہ کے شہر نیویارک میں بھی بھارتی قونصل خانے کے سامنے سکھوں نے مظاہرہ کیا۔

مذہبی تعصب اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ

◎

بچوں کی ختنہ کا چھوٹا سا عمل بہت سے مسائل کا بہت اہم حل ہے۔ یہ بہت سے امراض سے تحفظ کا ذریعہ ہے حفظان صحت کے لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے۔ نیو انگلینڈ جرنل آف میڈیسن نے اپنی تازہ اشاعت میں تسلیم کیا ہے کہ یہ عمل بڑے ہونے پر مردوں کو ایڈز جیسی موذی ومہلک بیماری کے سبب بننے والے ایچ آئی وی وائرس، انسانی پیپلو ماوائرس (ایچ پی وی) اور ہرپس سمپلکس وائرس (ایچ ایس وی-۲) سے محفوظ رکھنے کا اہم ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ایچ پی وی عنق الرحم یعنی عورت کی بچہ دانی کے نچلے حصہ (سروائیکل) کے کینسر کا اور ایچ ایس وی-۲ جلد پر چھالوں کا سبب بنتے ہیں۔ ختنہ کی وجہ سے ایچ پی وی کا خطرہ ۳۵ فیصد اور ایچ ایس وی-۲ کا ۲۵ فیصد کم ہوجاتا ہے۔ یہ عمل مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے بہت فائدہ مند وصحت بخش ثابت ہوتا ہے۔ یہ تحقیق ۱۵ تا ۴۹ سال کی عمر کے ۵۳۴,۱۵ ایچ آئی وی نگیٹو غیر ختنہ شدہ مردوں پر کئے گئے تجربات پر مبنی ہے۔ جس نے امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹرک کو ختنہ کے سلسلہ میں اپنی پالیسی کا جائزہ لینے کے لئے ایک ٹاسک فورس قائم کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر مختلف امور میں ختنہ کے عمل کی افادیت کی تحقیق ہوچکی ہے۔ نیو انگلینڈ جرنل آف میڈیسین کی اس رپورٹ کے سامنے آجانے کے بعد عالمی سطح پر ختنہ کے نام پر تھوڑی سی کھال کو کاٹنے یا نہ کاٹنے کے موضوع پر ایک بحث شروع ہوگئی ہے جرنل کی تحقیق کے سامنے آجانے کے بعد آسٹریلیا نے اطلاع کے مطابق پروفیشنل سوسائٹیز سے اس عمل کو اپنانے اور اس کے مطابق کام کرنے کی اپیل تک کردی ہے۔

یاد رہے کہ عرب دنیا میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بلکہ پیدائش سے بھی پہلے سے بچوں کی ختنہ کی روایت چلی آرہی تھی خود رسول اللہ کی پیدائش پر آپ کے خاندان کے بزرگوں نے آپ کی بھی ختنہ کرائی تھی آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ختنہ اللہ کے نبیوں کی سنت رہی ہے۔ دیکھا جائے تو ختنہ نہ اسلام کی کوئی خصوصیت ہے۔ نہ اس کے فرائض وارکان میں شامل ہے نہ مسلمانوں کے لئے لازم ہے نہ ہی مسلمانوں کی خاص پہچان وشناخت کا ذریعہ یا شعار ہے کہ یہودی بھی ختنہ کراتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان ختنہ نہ کرائے اور اسلام کے احکام وتعلیمات پر ذمہ داری کے ساتھ عمل پیرا ہو تو بغیر ختنہ کے اس کے مسلمان ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اہل عرب پہلے سے یہ عمل کرتے تھے اسلام نے اس کی بھی افادیت اور حفظان صحت کا ایک اچھا قابل فہم معقول ذریعہ ہونے کی بنا پر کھلے دل کے ساتھ اختیار کرلیا اللہ کے رسول نے اس کو انبیاء کی سنت قرار دیا اور بغیر کسی ضد تعصب یا ذہنی تحفظ کے اس کی ترغیب دی۔ آج مسلمان اس کو سنت کہتے ہیں۔ حتی کہ خاص حلقوں طبقوں اور مواقع پر سنت کا لفظ استعمال کرتے ہی اس کا مطلب ختنہ لے لیا جاتا ہے۔ بات صرف بچوں کی ختنہ تک محدود نہیں ہے اسلام کے احکام وتعلیمات میں جو افادیت ومعنویت وہمہ گیری ہے وہ ہر دور میں اور ہر خطہ وعلاقہ میں نہ صرف قابل عمل ہیں بلکہ انسانی زندگی گزارنے کا سب سے بہتر لائحہ عمل اور نظام حیات ہیں، جن کی عظمت افادیت، معنویت معقولیت اور ہمہ گیری کا مخالفین بھی وقتاً فوقتاً اعتراف کرتے رہتے ہیں مگر برابر ذہنی تحفظات، تنگ نظری، ضد وتعصب کا کہ ان کو اپنانے سے کتراتے رہتے ہیں۔ قوم، طبقہ وخطہ کی تنگنائیوں میں محصور رہ کر خود بھی حقانیت ومعقولیت کی راہ اپنانے سے گریز کرتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور دنیا کو صحیح وسلامتی اور امن فلاح وبہبود، خوشحال، سکون واطمینان ہر قسم کے مسائل واندیشوں اور خطرات سے تحفظ کی راہ پر گامزن نہیں ہونے دیتے۔ فساد اور بگاڑ پیدا کرتے اور پھیلاتے ہیں۔

اپنے وطن عزیز میں آج کا پڑھا لکھا خاص طور سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ، تعصب وفرقہ پرستی خاص طور سے مسلمانوں کے خلاف ذہنی تحفظات اور نفرت کے معاملہ میں کس قدر بلندیوں پر پہنچا ہوا ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ فسطائی طاقتوں نے خاص طور سے پڑھے لکھے طبقہ کو ٹارگیٹ بنا کر اپنی منصوبہ بندی کی ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ ملک کی انٹلی جنس، انتظامیہ، پولیس اور بیورو کریسی مسلمانوں کے بارے میں انہی تمام لائنوں پر سوچتی اور نقشے بناتی ہے جو فسطائی طاقتیں اپناتی ہیں یہی وجہ ہے کہ دہلی پولیس نے محمد عمر مدنی نامی ایک شخص کو راجدھانی کے علاقہ مہرولی سے گرفتار کرکے لشکر طیبہ کا کلیدی ذمہ دار اور نیپال لشکر طیبہ کا سربراہ قرار دیا ہے اور اسے لشکر طیبہ کے مبینہ بانی حافظ سعید کا قریبی ساتھی بتایا ہے جس کو ممبئی کے مبینہ دہشت گردانہ حملہ کا ماسٹر مائنڈ قرار دیا جاتا ہے۔ حافظ سعید کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کو یہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ خاص طور سے ٹیکنالوجی کے میدان سے تعلق رکھنے والے مسلم نوجوانوں کی بھرتی کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

بچوں کے ختنہ کے سلسلے میں بھارتی ڈاکٹر سنتے ہی گویا اچھل پڑے ہیں انہیں خطرہ لاحق ہے کہ اس طرح ان کے بچے مسلمان ہوجائیں گے۔ مسلمان کی تعداد بڑھ جائے گی وہ ایک دن اکثریت میں آجائیں گے۔ ہندوؤں کی تعداد گھٹ جائے گی بھارت کا اسلامی کرن ہوجائے گا۔ حالانکہ وہ ختنہ کو یہودیت سے بھی جوڑ سکتے تھے جنہیں وہ اپنا خیر خواہ اور ہمدرد سمجھتے ہیں اور اسرائیل کے ساتھ ہر سطح پر دوستی کی پینگیں بڑھانے کی باتیں ہورہی ہیں۔ انڈین میڈیکل ایسوی ایشن کے قومی صدر ڈاکٹر اشوک ادھاؤ کا کہنا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ختنہ بھارت کے لئے کوئی ترجیحی عمل نہیں ہے۔ ضرورت ہو تو اولاً عملی سروے کرکے پوری طرح اعداد وشمار جمع کئے جائیں۔ پھر بھی لوگوں کو اس معاملہ میں ڈاکٹروں کو سمجھانا چاہئے اس کے بعد لوگ چاہیں گے تو اپنالیں گے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بچوں کا ختنہ ایک اچھا عمل ہے بحیثیت سرجن میں لوگوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنے بیٹوں کی ختنہ کرائیں اگر کم عمر میں کرلیا جائے تو نقصان کا امکان کم رہتا ہے۔ ایک چھوٹا سا سرجیکل عمل ہے جس میں کھال کا اگلا حصہ کاٹ دیا جاتا ہے جہاں وائرس بڑی تیزی سے پھیلنے پھولنے میں اور ان کی نسل کی افزائش ہوتی ہے۔ جب کہ پیدائش کے فوراً بعد کی بجائے زیادہ عمر ہونے پر ختنہ کرنے سے پیچیدگیوں کا اندیشہ رہتا ہے خون زیادہ نکل سکتا ہے اور ٹھیک ہونے میں وقت لگ سکتا ہے۔

بھارت کے ماہرین امراض اطفال اس بارے میں کوئی موقف اختیار کرنے سے گھبرا رہے ہیں ٹائمنز آف انڈیا (۳۱رمئی) کے مطابق اس سلسلہ میں کوئی پالیسی اختیار کرنے سے پہلے ایک پائلٹ اسٹڈی کرنی چاہئے ماہرین امراض اطفال کی بھارتی اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر پناچودھری کو یہ مضحکہ خیز بات بھی کہی ہے کہ بھارت میں ایڈز کے سلسلہ میں افریقہ جیسی صورتحال نہیں ہے ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کیا ختنہ کا عمل واقعی مسلمانوں میں ان میں امراض کو کم کرنے میں مددگار ہے۔ بڑی آبادی کے سامنے اس کی وکالت کرنے سے پہلے اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اخبار کا کہنا ہے کہ عالمی سطح پر ختنہ کا عمل تقریباً ۳۰ فیصد کراتے ہیں جن میں زیادہ تر یہودی اور مسلمان ہیں بھارت میں بیشتر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یہ ایک حساس مسئلہ ہے۔ اس طرح کے عمل میں معقولیت کی راہ اپنانے کی ضرورت ہے کہ یہ مسلم طبقہ تک محدود مذہبی تقاضہ کی بجائے ایک روایت بن جائے۔ ایک سوشیولوجسٹ شوشوناتھن کہتے ہیں کہ اگرچہ ختنہ کا عمل مسلمانوں کو فرقہ وارانہ فسادات کے دوران غیر محفوظ کردیتا ہے اس کی ان کی مذہبی سوچ میں گہری جڑیں ہیں۔ اور یہ ان کے لئے ایک ابتدائی تقریب کی حیثیت رکھتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ہندوؤں کے لئے جنیو دھاگے کی حیثیت ہے۔ اس کی حیثیت کسی بڑے پیمانہ پروکیسن کے عمل کی نہیں ہے۔ ماہر جنسیات ڈاکٹر پرکاش کوٹھاری نے تو ایک دوسری ہی بات کہہ ڈالی ہے کہ یہ بحث بے معنی ہے کیونکہ ختنہ کے عمل کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہے۔

ختنہ شدہ مرد کو ہرپس سے تحفظ حاصل نہیں ہوتا پھر بھارت میں کتنے لوگوں کو ایچ آئی وی یا عضو خاص میں کینسر کی شکایت ہے ان کے لئے دوسری تدابیر کافی ہیں جب کہ جیسا کہ لوگ کہتے ہیں ختنہ شدہ کو جنسی عمل میں زیادہ تسکین حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ عمل صرف ضرورت کے وقت ہی کرنا چاہئے۔ آخر بچوں کو غیر ضروری تکلیف سے دوچار کیوں کیا جائے۔ حیرت ہے کہ یہ لوگ دانشور، ماہر جنسیات، اعلیٰ تعلیم یافتہ سوشیولوجسٹ اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ●●

اوباما کی تقریر پر یہودی ردعمل

لندن—امریکہ کے صدر بارک اوباما کے قاہرہ یونیورسٹی میں مسلمانوں سے خطاب پر کچھ یہودی تنظیموں نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ امریکی اخبار ''دی نیویارک ٹائمنز'' کے مطابق کچھ یہودی تنظیموں کو خدشہ ہے کہ بارک اوباما اپنے پیش رو صدور کے مقابلے میں کم اسرائیل نواز صدر ہوں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اخبار کا کہنا ہے کہ واشنگٹن میں کچھ اہم اسرائیل نواز اراکین کانگریس نے اشارہ دیا ہے کہ وہ صدر اوباما کی مشرق وسطیٰ میں کوششوں کے حامی ہیں۔

اخبار کے مطابق نیویارک میں ڈیموکریٹ گیری ایل ایکرمین نے کہا کہ ''صدر بالکل درست راہ پر ہیں، وہ یقیناً صحیح بات کررہے ہیں کہ بستیوں کا پھیلاؤ مددگار ثابت نہیں ہورہا ہے اور امن منصوبے کے لئے نقصان دہ ہے۔''

اسی طرح اخبار نے ایک اور ڈیموکریٹ نیتا لوئی سے بیان منسوب کیا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ تاریخ کی حقیقتوں کا اور لوگوں کے حقوق اور عزت کا اعتراف امن اور سلامتی کی جستجو میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ دریں اثناء یہودی تنظیم ''دی زائنسٹ آرگنائزیشن آف امریکہ'' نے صدر اوباما کی تقریر پر اپنے ردعمل میں کہا کہ یہ امریکہ کی طرف سے اسرائیل کے ساتھ اتحاد کے خاتمے کے آغاز کا اعلان ہوسکتی ہے۔ تنظیم کی ویب سائٹ پر ایک طویل بیان میں صدر اوباما کی تقریر کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ تنظیم کا کہنا ہے کہ تقریر میں یہ تو کہا گیا کہ اسرائیل اور امریکہ کا رشتہ اٹوٹ ہے اور اسرائیل کی تباہی کی باتیں کرنے والوں پر بھی تنقید کی گئی لیکن ان کا نام نہیں لیا گیا، جن میں یہودی تنظیم کے مطابق ایران، شام، الفتح کے زیر انتظام فلسطینی اتھارٹی شامل ہیں۔

تنظیم کے بیان میں کہا گیا ہے کہ صدر اوباما کی ''انتہائی متعصب تقریر'' عمومی طور پر دراصل اسرائیل مخالف اور فلسطینیوں اور عربوں کے اسرائیل کے خلاف جھوٹے دعوؤں کے حق میں تھی۔

بیان میں کہا گیا کہ صدر اوباما نے حال میں دعویٰ کیا تھا کہ امریکہ دوسروں پر اپنی پالیسی مسلط نہیں کرے گا لیکن انہوں نے اسرائیل سے کہا ہے کہ وہ عربوں کی طرف سے پیش کئے گئے ''خطرناک اور برائے نام'' امن منصوبے کی حمایت کریں اور یہودی بستیوں کی تعمیر روکیں۔

اسرائیلی اخبار ہارٹیز نے صدر اوباما کی تقریر کے بارے میں اپنے اداریے میں اسے ''غیر معمولی'' قرار دیا ہے۔ اخبار نے لکھا ہے کہ اوباما نے کسی فریق کو دوسرے پر فوقیت نہیں دی بلکہ اسرائیل کو ایک آزاد مملکت کے طور پر رہنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا فلسطینیوں کو۔ ہارٹیز نے کہا کہ اوباما اپنی انتظامیہ سمیت کسی فریق کو بری الذمہ قرار نہیں دے رہے۔ اخبار کے مطابق فلسطینیوں کو 'دہشت گردی' روکنی ہوگی۔ اسرائیل کو بستیوں کی تعمیر بند کرکے فلسطینیوں کے حقوق تسلیم کرنے ہوں گے۔ عرب ممالک کو اسرائیل فلسطینی تنازعہ کے حل کا انتظار کئے بغیر اسرائیل کو تسلیم کرنا ہوگا اور امریکی انتظامیہ کو تمام فریقین کو ایک ساتھ لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی۔

فکر معاصر

کملا داس ثریا کا انتقال

کملا داس ثریا نے ایک اسپتال میں ۷۵ سال کی عمر میں رخت سفر باندھ لیا وہ ۱۸ اپریل کو اسپتال میں علاج کے لئے داخل کرائی گئی تھیں ان کے شوہر کا پہلے ہی انتقال ہوچکا تھا جس وقت ان کا انتقال ہوا ان کے پاس ان کے بیٹے اور داماد موجود تھے۔ کملا داس ایک انتہائی صاف گو اور بڑی بے باک خاتون تھیں اسی لئے وہ ہمیشہ بحث کا موضوع رہیں لیکن انہوں نے کبھی غلط باتوں کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ کہیں تعلیم نہ حاصل کرسکیں انہوں نے جو بھی علم حاصل کیا اپنے طور سے اپنی کوششوں سے حاصل کیا اور اس منزل پر پہنچیں کہ انہیں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی گئی وہ پندرہ برس کی تھیں کہ ان کی شادی کردی گئی ان کی پیدائش ۳۱؍مارچ ۱۹۳۴ء میں مالا بار (کیرالا) میں ہوئی تھی۔ ۱۶؍برس کی عمر میں ان کی پہلی اولاد ہوئی۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ان کی تیسری اولاد پیدا ہوئی تب وہ اس قابل ہوسکیں کہ ایک باشعور بالغ ماں کی طرح اپنے بچوں کی پرورش کرسکیں۔ اس لئے ابتداء میں ان کے شوہر مادھو داس نے ہی باپ کے علاوہ ماں کی طرح بھی بچوں کی پرورش کی۔ شوہر بیوی کی عمر میں بڑا تفاوت تھا اس کے باوجود کملا داس کو اپنے شوہر سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے شوہر نے ہی ان کی ہمیشہ ہمت افزائی کی۔ انہوں نے جب لکھنا پڑھنا شروع کیا تو شوہر ہی نے بڑھ کر ان کی مدد کی۔

کملا داس ثریا نے جس ماحول میں اور جن حالات میں تخلیقی سرگرمیاں شروع کیں وہ کسی بھی طرح کسی کے لئے بھی ہمت افزا نہیں ہوسکتا یہ ضرور ہے کہ انہیں ورثے میں ادبی اور تخلیقی ماحول ملا تھا ان کے چچا ایک بڑے ادیب تھے جو صبح سے رات تک لکھا ہی کرتے تھے اور ان کی ماں بھی ایک اچھی شاعرہ تھیں۔

کملا داس کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے لکھنا شروع کیا تو نہ تو ان کے پاس وقت تھا اور نہ کوئی معقول جگہ! دن بھر وہ بچوں کی پرورش میں مصروف رہتی تھیں جب رات کو سب سوجاتے تب وہ لکھنا شروع کرتیں اور صبح تک لکھتی رہتی تھیں وہ اس میز پر ٹائپ رائٹر رکھ کر لکھتی تھیں جس پر دن میں ترکاری کاٹی جاتی تھی اور جھوٹے برتن دھوئے جاتے تھے۔ کملا داس ثریا کی مادری زبان ملیالم تھی اور انگریزی انہوں نے ماحول سے سیکھی تھی۔ انہوں نے بڑی بے باکی سے عورت کے جذبات کا شاعری میں اظہار شروع کیا تو ان پر ہر طرف سے اعتراضات ہونے لگے لیکن ایسے میں ان کے شوہر مادھو داس سب سے بڑے حمایتی بن کر ابھرے جس سے ان کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور انہوں نے شاعری کے ساتھ ناولیں اور افسانے بھی لکھنا شروع کردیئے ان کی شہرت اپنے گھر سے باہر اور ملک سے باہر دوسرے ممالک تک میں ہوئی ان کی ناولیں، افسانوں کے مجموعے اور شعری مجموعے دنیا بھر میں بڑے اشتیاق سے پڑھے جانے لگے۔ کملا داس نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہونے کے باوجود خود کو اس وقت تک مسلمان نہیں ظاہر کیا جب تک کہ انہوں نے ہر اعتراض کا جواب دینے کا خود کو اہل نہ بنالیا انہوں نے اپنے شوہر اور اولاد کو بھی مسلمان بنانے کی کوشش کی لیکن جب ہر کوشش کے بعد انہیں یقین ہوگیا کہ وہ مسلمان نہ ہوں گے تب اعلان کردیا کہ وہ مسلمان ہے اور اسلام سے بہتر کسی مذہب کو نہیں سمجھتی ہیں انہوں نے بے پردگی ختم کرکے برقع کا استعمال شروع کردیا اور کہا کہ برقع میں ہر عورت محفوظ رہتی ہے اس پر کسی کی ندیدی نگاہیں نہیں جمتی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ وہ جب برقع اوڑھ کر جب جہاں گئیں ان کا کہیں زیادہ احترام کیا گیا۔

کملا داس مسلمان ہوکر ثریا بن گئیں مگر انہوں نے اپنے بے خوف اور بیباک انداز کو نہیں بدلا وہ جتنی بیباک ہوکر لکھتی تھیں اتنی بیباکی سے بہت کم عورتیں کچھ لکھنے کی ہمت کرسکی ہیں۔

(روزنامہ آگ)

دنیا کی سب سے بڑی طاقت ''علم''

حکیم سراج الدین ہاشمی، امروہہ

علم کی اہمیت اور افادیت کا احساس ہر دور میں رہا ہے۔ اپنے وقت میں عصری اور دینی علم یعنی دونوں ہی علوم اہمیت کے حامل ہیں اور رہیں گے دینی علم روحانی اقدار اور قوت کا علمبردار ہے تو عصری علم مادی قوت کا۔ اسی لئے علم کو اہمیت اور اولیت حاصل ہے۔ قرآن میں سب سے پہلی سورہ ''اقراء'' ہے جس کا مطلب ہے پڑھ۔ اسلام نے انسان کو حلال وحرام، جائز وناجائز اور خیر وشر سے آگاہ ہونے کی تاکید کی۔ خیر کے لئے کہا کہ یہ سماج میں انسان کے لئے امن وسکون کا بہترین ذریعہ ہے اور شر سے انسان ہمیشہ دور رہے لیکن ان تمام باتوں سے واقفیت اور احساس اُس وقت ہوتا ہے جب انسان عقل شعور کا مالک ہوگا، عقل وشعور کا تعلق علم سے ہے اور جب علم ہوگا تو عقل وشعور ہوگا تب انسان خیر وشر، حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز کرتا ہے اور جب یہ تمیز حاصل ہوگی تو انسان اس پر آسانی سے عمل کرے گا۔ بغیر علم انسان ایسے تمام معاملات سے بے خبر اور گمراہ رہتا ہے۔ اسی طرح انسان میں اعلیٰ احساسات اور جذبات جو پیدا ہوتے ہیں وہ انسان کی اعلیٰ سوچ، خیالات اور نظریات پر منحصر ہوتے ہیں اور یہ سب علم پر منحصر ہے یعنی علم کے بغیر کوئی بھی شخص باشعور نہیں ہوسکتا۔ بغیر علم انسان گھٹن محسوس کرتا ہے اور علم حاصل کرکے اس کو فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ انسانی معاشرہ میں جو انسان میں ایک دوسرے کی بنسبت امتیاز پایا جاتا ہے۔ وہ علم کی بدولت ہے کیونکہ عالم میں ان لوگوں کی بنسبت شعوری قوت ہوتی ہے جو علم سے محروم ہوتے ہیں اور یہ شعوری قوت ہی عالم کو اعلیٰ مقام پر پہنچاتی ہے۔

خدا نے انسان کے لئے کائنات بنائی اور اس کائنات کے رموز کو سمجھنے کی ہدایات بھی دیں۔ رموز کائنات کو انسان اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک علم حاصل نہیں کرے گا۔ خدا سب کی عبادت سے خوش ہوتا ہے لیکن وہ لوگ جو علم حاصل کرتے ہیں اور رموز کائنات کو بھی سمجھتے ہیں وہ لوگ خدا کی فنکاری سے واقف ہوجاتے ہیں اور واقفیت کے ساتھ جب انسان عبادت کرتا ہے تو اس انسان کی عبادت خدا کی نظر میں اہمیت کی حامل ہوتی ہے لیکن وہ لوگ جو کائنات کے رموز سے واقف نہیں ہوتے اور عبادت کرتے ہیں تو خدا ان کی عبادت سے بھی خوش ہوتا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی عبادت میں میرے لئے صرف جذبات شامل ہیں۔ عقل وشعور کے تحت عبادت نہیں کی اس لئے وہ چاہتا ہے کہ ہر انسان علم حاصل کرے تاکہ میری کائنات کے رموز سمجھ سکے اور علم کی بنیاد پر خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کیا۔ جنگ بدر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگی قیدی بنائے تھے وہ قیدی علم سے واقف تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ان قیدیوں سے علم حاصل کرنے کے لئے ان قیدیوں سے کہا کہ ہر قیدی دس بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھائے اس کے بعد اس قیدی کو آزاد کردیا جائے گا۔ حالانکہ ایسی صورت میں یہ خطرہ بھی تھا کہ یہ قیدی آزاد ہونے کے بعد مسلمانوں کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں لیکن پیغمبر اسلام نے اس خطرہ کو محسوس کرنے کے باوجود نظر انداز کردیا اور علم کو ترجیح دی (The imprtance of Education: Maulana Wahid Uddin Khan)

دنیا میں ہر شخص کا انداز فکر ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ انسان کی سوچ میں گہرائی صرف علم کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ یہ فلسفیانہ سوچ اور کائنات کی ہر چیز پر غور وفکر کی نظر بھی انسان کو علم ہی عطا کرتا ہے اور اس علم کی وجہ سے معاشرہ میں انسان ایک دوسرے سے مختلف پائے جاتے ہیں۔ یعنی انسان علم حاصل کرنے کے بعد جب معاشی لحاظ سے ترقی کرجاتا ہے اور اعلیٰ سوچ، خیالات ونظریات کے باعث اپنے آپ کو اعلیٰ مقام پر لے جاتا ہے تو یہ امتیاز ہی انسان کو قابل احترام بنادیتا ہے۔ اسی لئے ان کو علم پر ناز وفخر ہوتا ہے۔ اسی لئے دنیا کے مفکرین نے اپنی علمی قوت کے باعث اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے اور اس علم کے باعث ان کا اپنا وجود مقناطیسی قوت رکھتا ہے اور ہر شخص ان کے علم سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔ اس طرح انسان علم کے بغیر سماج میں کوئی ترقی نہیں کرسکتا۔ جب ترقی نہیں کرسکتا تو سماج میں کوئی اعلیٰ مقام بھی حاصل نہیں کرسکتا۔

معاشرے میں انسان کو علم کی اہمیت کا احساس اس وقت بھی ہوتا ہے کہ محفل میں کچھ افراد ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے آپسی گفتگو میں ادبی لطائف کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ محفل میں ان لطائف سے صرف وہ لوگ ہی لطف اندوز ہوپاتے ہیں جو صاحب علم ہوتے ہیں۔ اور جو علم سے محروم ہوتے ہیں وہ لطائف سے لطف اندوز نہیں ہوپاتے۔ ان کو ان لطائف سے خوشی کا کوئی احساس نہیں ہوتا کیونکہ علم کے فقدان کے باعث وہ ان لطائف کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور محفل میں وہ خود دوسروں کے لئے ہنسی کا موضوع بن جاتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو خوشی کے احساس کے لئے بھی علم کی شدید ضرورت ہوتی ہے اور علم نہ ہونے کے باعث خوشی کے احساسات سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ اسی لئے اسلام بار بار اصرار کرتا ہے کہ علم حاصل کرو جب علم حاصل ہوگا تو یہ سب کچھ حاصل ہوگا اور جب یہ سب کچھ حاصل ہوگا جب انہی احساسات کے تحت انسان کی اپنی زندگی بہت پاکیزہ اور پرسکون محسوس ہوگی اور یہی احساس انسان کی روحانی قوت کہلاتی ہے۔

دنیا کا کوئی بھی ملک اقتصادی، سماجی اور سیاسی ترقی اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک عوام اور حکمراں علم سے واقف نہ ہوں کیونکہ تہذیب وتمدن اور معاشرہ کی تعمیر اور ترقی کا ضامن علم ہے۔ اسی لئے اگر کسی ملک کی آبادی کا تناسب تعلیمی لحاظ سے زیادہ ہے تو وہ ملک خود بخود ترقی پر گامزن رہتا ہے۔ اس ترقی کے اسباب خدا نے ازل سے اس کائنات میں پیدا کیے۔ انسان علم حاصل کرکے ان اسباب کی مدد اور بنیاد پر ترقی کا قدم بڑھا کر کامیابی حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ عالم اپنے علم سے پہلے اپنی ذہنی تعمیر کرتا ہے پھر ملک وقوم کی تعمیر کرتا ہے اور عالم کا یہی انفرادی اور مجموعی تعمیری عمل اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے اور اسی ترقی سے ملک وقوم فیضیاب ہوتے ہیں۔

ماضی میں مسلمانوں نے قرآن کے حکم کے مطابق عمل کرکے علم حاصل کیا اور اتنا علم حاصل کیا کہ یورپ ان کی علمی قوتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ کیونکہ مسلمانوں نے علم کے میدان میں سبقت حاصل کرلی تھی جس کے باعث عالمی سطح پر ان کی شہرت تھی۔ یورپ کے ممالک نے مسلمانوں کی کتابوں سے ترجمہ کرائے اور ان ترجموں سے استفادہ کیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان اپنا وجود بھول کر یورپ کی تقلید کرنے لگے۔ نتائج یہ برآمد ہوئے کہ مسلمان دن بہ دن علم سے دور ہوتے رہے۔ دنیا کے مسلم ممالک آج اس علمی قوت سے محروم ہیں۔ ان مسلم ممالک کی اقتصادی قوت تیل ہے اور تیل اتنا ہے کہ انہوں نے علم پر تیل کو ترجیح دے کر اپنے آپ کو علم سے محروم کرلیا اور ملک کی ترقی جو سائنسی علم پر منحصر ہے اس کی کو پورا کرنے کے لئے یہ مسلم ممالک یورپ سے تعلیم یافتہ لوگوں کو بلاکر ان سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ یعنی جو کل تک یورپ کو اپنے علم سے فیضیاب کررہے تھے آج ان کا علمی لحاظ سے عالم مجبوری یہ ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کا انحصار یورپ کے تعلیم یافتہ لوگوں پر کرلیا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ انفرادی اور مجموعی طور پر علم ضروری ہے اس کے بغیر کوئی ملک قومی پیمانہ پر ترقی نہیں کرسکتا۔

اس طرح علم کی ضرورت اہمیت اور افادیت کو سمجھتے ہوئے ہندوستان میں اگر تعلیم کو ایک مشن کے طور پر چلایا جائے تو یہ عمل زیادہ موثر ثابت ہوگا۔ اس کے تحت تعلیم کی شرح میں بھی اضافہ ہوگا۔ حالانکہ خود حکومت ہند اس جانب توجہ دے رہی ہے کہ ابتدائی تعلیم کے بغیر تعلیم کی شرح میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ جب آج ہزاروں کی تعداد میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دلانے کے مقصد کے تحت اسکول کھولے جائیں گے تو مستقبل میں بھی ان بچوں کی وجہ سے ہی تعلیم یافتہ افراد کی شرح میں اضافہ ہوگا۔ یعنی اس ہدف کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک کے ہر بچے کو اسکول میں داخل کرایا جائے تاکہ تعلیمی شرح میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔ ہندوستان میں تعلیمی شرح بہت کم ہے عالمی سطح پر اس کا مقام ایک سو پانچواں ہے۔ تعلیم کی اقدار اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے عوام میں تعلیمی بیداری پیدا کی جائے۔ ایک ایسا تعلیمی انقلاب لایا جائے جس کے ذریعہ ملک کا ہر شہری تعلیم یافتہ ہو۔

●●

کانگریس کی واپسی

عدیل اختر

مسلمانوں پر کانگریس کا جوابی شکریہ لازم ہوگیا ہے۔ یعنی اس شکریہ کا جواب جو پارٹی نے مسلمانوں کے بے حساب ووٹوں کے بدلے انہیں ادا کیا ہے۔ ۷۹ رکنی وزارتی کونسل میں پانچ مسلمان! بہت خوب، مسلمانوں کو اور کیا چاہئے کیا پوری حکومت پر قبضہ کریں گے! یہ عنایت ہے، اگر یہ بھی نہیں ملتا تو آپ کیا کرتے؟ تو صاحبو! شکر گزار بنئے، کانگریس کا یہی احسان کیا ہے کہ وہ آپ کے لئے بی جے پی کا ایک متبادل بنی ہوئی ہے۔ ایک ڈھال ہے آپ کے لئے ورنہ ہندوتووادی آپ کو کچا بھون کر کھا جائیں گے۔ گجرات نہ بھولئے! ہاں ممبئی بھول جائیے، نیلی اور بھاگلپور بھول جائیے، میرٹھ، ملیانہ، مرادآباد بھول جائیے۔ جمشید پور، جبل پور، علی گڑھ، سب کچھ بھول جائیے اور ہاں! بابری مسجد بھی تو بھول جائیے۔

لوگ اس خیال میں ہیں کہ کانگریس بدل رہی ہے، ''جنریشن چینج'' کے ساتھ یہ اور بدل جائے گی۔ نئے لوگ ہوں گے، نیا نظریہ ہوگا اور نئی دنیا آباد ہوگی۔ لیکن کانگریس نے یہ انتظام کرلیا ہے کہ پیڑھیوں کی تبدیلی کے ساتھ کانگریس کے ''کانگریسی پن'' میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ کانگریس کی وزارتی کونسل کو دیکھئے۔ آپ کو سمجھ میں آجائے گا کہ کانگریس تبدیلی کے اس مرحلے (ٹرانزیشن پیریڈ) میں کتنی ہوشیاری کے ساتھ اپنا کلچر، اپنی پالیسیاں اور اپنا طریقہ کار نئی نسل کے کانگریسیوں کو منتقل کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ کانگریس نے کابینہ میں کسی نوجوان کو نہیں لیا ہے۔ بلکہ یہ انجمن اپنے ان ستاروں سے سجائی ہے، جنہیں لوگ بوڑھا کہہ رہے ہیں۔ لیکن کانگریس کے یہ بوڑھے بڑے سیانے ہیں۔ یہ ٹھیٹھ کانگریسی ہیں اور کانگریسی پن ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ اس لئے ان پر بوڑھوں کی پھبتی کسنے کے بجائے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تجربہ کار کانگریسیوں کی جماعت ہے۔ جو نوجوان کانگریسیوں کو اپنی ماتحتی میں کانگریسی حکومت چلانے کی تربیت دے گی۔ سارے نوجوان کانگریسی وزرائے مملکت کی حیثیت سے مختلف محکموں میں جونیئر رہ کر کام کریں گے۔ پانچ سال میں یہ یوتھ بریگیڈ حکومت کرنے کے کانگریسی طریقے پوری طرح سیکھ لے گی۔ جتن پرسا اور جیوترادیہ جیسے راجکمار تو ایسے ہیں جو پچھلی حکومت میں بھی یہ تربیت لیتے رہے ہیں۔

کانگریس نے اپنی یوتھ بریگیڈ بنانے میں اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ کوئی وقتی یا نیا آدمی اس میں شامل نہ ہو پائے۔ بلکہ پرانے اور روایتی کانگریس گھرانوں کے چشم وچراغ ہی کانگریس کی وراثت کو سنبھالیں گے۔ اس طرح یہ انتظام کیا گیا ہے کہ پارٹی کی قیادت اور پارٹی کے توسط سے حکومت کا اقتدار نئی نسل کو منتقل ہوگا، تو پارٹی یا حکومت کی سطح پر کوئی نیا پن محسوس نہ ہو۔ کسی بدلاؤ کو کوئی راستہ نہ مل سکے۔ کانگریس کی ساری خصوصیات اپنی جگہ موجود رہیں۔

مرکز میں کانگریس اور اس کے اتحادیوں کی واپسی سے مسلمانوں نے راحت کی سانس لی ہے، بلکہ بڑی مسرت اور شادمانی بھی محسوس کررہے ہیں۔ وہ اپنی جیت سمجھ رہے ہیں اور یہ اطمینان کررہے ہیں کہ ہندتو وادی ایجنڈے پر چلنے والی بی جے پی پسپا ہوگئی ہے۔ وگرنہ وہ دستور کو بدلنے، جمہوریت کو فسطائی بنانے اور ملک کے سیکولر ڈھانچے کو تباہ کرنے پر کام کرتی۔ مسلمانوں کا جینا حرام کردیتی۔ یہ بات صحیح ہے اور اس خطرے کو ٹالنے کے لئے وہ وہی کرنے پر مجبور تھے، جو انہوں نے کیا ہے۔ لیکن خوشی کے ڈھول بجانے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ بلکہ اس احساس کی ضرورت ہے کہ مضبوط ہوتی کانگریس اور حکومت میں پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اس کی واپسی خطرے کی گھنٹی ہے۔ کانگریس کے مستحکم اقتدار کا مطلب ہے ایک من مانی حکومت۔ ایک ایسا سیکولر نظام جو اقلیت کو اقلیت ہونے کا احساس دلائے اور اکثریت کو اس بات کا اطمینان کرائے کہ ملک اسی کا ہے۔

کانگریس کے نزدیک ملک کے سیکولر ڈھانچے میں مسلمانوں کے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد کے معاملے میں جو چاہیں رہیں، لیکن اپنے کلچر اور اپنے تشخص کو مذہبی نظریئے سے آزاد کریں۔ وہ ایسے سیکولر بنیں، جیسے کہ کانگریس میں اونچا مرتبہ پانے والے مسلمان ہیں۔ حالانکہ ہندوستانی سیکولرازم کا نہ یہ مطلب ہے نہ یہ دستور کا تقاضہ ہے۔ ملک کا دستور اور اس میں سیکولرازم کا تصور دراصل یہ ہے کہ تمام طبقات اور فرقے اپنے داخلی معاملات میں پوری طرح آزاد ہیں۔ ان کا اپنا تشخص ہے۔ وہ خود اپنے آپ میں ایک جماعت اور گروہ ہیں۔ ان کی اپنی پسند وناپسند ہے۔ اپنے عقائد ہیں اور اپنی تہذیب ہے۔ لیکن یہ سارے کثیر ثقافتی گروہ ایک ایسے سیاسی نظام میں برابر کے شریک ہیں، جو پوری طرح غیر جانبدار ہے۔ یہ محض سیاسی اعتبار سے ایک قوم ہیں اور قومی اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی قومی پلیٹ فارم پر انہیں گروہی حیثیت سے مناسب نمائندگی حاصل رہے اور قومی فیصلوں میں وہ سب شریک ہوں۔

کانگریس نے اپنے طویل اقتدار میں سیکولرازم کے اس حقیقی مطلب ومفہوم کو سمجھنے اور سمجھانے کا موقع نہیں دیا۔ بلکہ وہ ایک سیاسی جبر کے ساتھ عوام کو اپنے حساب سے سیکولر ہونے کا مطلب سمجھاتی رہی۔ یہ علاقائی جماعتوں اور ذات وفرقوں کے حقوق کے لئے اٹھنے والی تحریکوں کا فیض ہے کہ جمہوریت اور سیکولرازم کے اس دستوری مفہوم کو سمجھنے کا موقع عوام کو ملا۔ لیکن اب یہ اندیشہ پھر پیدا ہوگیا ہے کہ جمہوریت اور سیکولرازم کو کانگریسی نقطۂ نظر کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں کی جائیں گی۔ کانگریس نے اپنے جن ممبروں کو وزارت کے لئے منتخب کیا ہے، اسی سے یہ اشارہ مل گیا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کس طرح کی نمائندگی چاہتی ہے۔ غلام نبی آزاد ہوں یا سلمان خورشید، یا پھر کابینہ میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والے دوسرے ممبر فاروق عبداللہ ہوں۔ یہ مسلم سماج کا حصہ تو بے شک ہیں، لیکن مسلمانوں کے مسائل، مسلمانوں کی ضروریات اور مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی انہوں نے کبھی نہیں کی۔ نہ یہ خود کو مسلمانوں کا نمائندہ کہتے ہیں نہ مسلمانوں میں انہیں نمائندگی سمجھا جاتا ہے۔ یہ نظریہ اور کلچر کی سطح پر بھی مسلم سماج کے عام دھارے سے جڑے ہوئے نہیں ہیں۔

مسلم تنظیموں کے قائدین کا خیال اس انتخاب میں یہ رہا کہ علاقائی جماعتیں زیادہ بھروسے مند ثابت نہیں ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کے مسائل کانگریس جیسی قومی جماعت ہی بہتر طریقے سے حل کرسکتی ہے۔ اس لئے علاقائی جماعتوں پر کانگریس کو ترجیح دی جائے۔ لیکن یہ یک رخی بات ہے۔ اس مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ علاقائی سطح پر اٹھنے والی جماعتیں مسلم ووٹوں کی زیادہ ضرورت مند ہیں۔ علاقائی تناظر میں ان کی اہمیت بھی زیادہ تسلیم کی جاتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ان کے پلیٹ فارم پر جڑنے والے مسلمان لیڈر مسلمانوں کی ترجمانی کا موقع تو رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو زبان تو ملتی ہے، اس لئے علاقائی پارٹیوں کو کمزور کرنا کانگریس اور بی جے پی کے لئے تو ضروری ہے، لیکن اقلیتی اور کمزور طبقات کے حق میں نہیں ہے۔

کانگریس اور بی جے پی ایک بار پھر ملک میں دو جماعتی نظام بنانے کی کوشش کررہی ہیں۔ لیکن یہ دو جماعتی نظام چکی کے دو پاٹ کی طرح ہے، جس میں عوام کے جملہ کمزور طبقات بالعموم اور مسلمان خاص طور سے پیسے جاتے رہیں گے۔ ہوشیار، خبردار، خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے۔

●●

اوباما اور مسلمان

میڈیلین البرائٹ

میں نے کئی ایسی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے، جن کا مقصد امریکہ اور اکثریتی علاقوں میں آباد مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا تھا، مسلمان مقررین کے مطابق جب سرد جنگ کا خاتمہ ہوا تو کمیونزم کی جگہ امریکہ کو ایک دشمن کی ضرورت تھی اور تبھی مسلمانوں کا انتخاب کیا گیا۔ دو گلف جنگوں، افغانستان، فلسطین کی صورتحال اور گوانتا ناموبے کا وہ حوالہ دیتے ہیں۔

زیادہ تر امریکیوں کے مطابق کہ ہمارا ملک اسلام پر ظلم کررہا ہے یا اسلامی عقیدے کو دشمن سمجھتا ہے، لغویات ہے۔ پہلی خلیجی جنگ صدام حسین کے ہمسایہ عرب ملک پر حملہ کا نتیجہ تھی۔ نائن الیون کو امریکہ شکار ہوا تھا جارح نہیں تھا۔ عراق میں گو غلط اطلاع کی بنا پر ہی صدر بش کا تبدیلی حکومت کا فیصلہ انٹی اسلامی تھا۔ امریکہ نے دو مرتبہ مسلمانوں سے اختلاف کی وجہ سے نیٹو کی قیادت کی۔ پہلی مرتبہ بوسنیا اور دوسری مرتبہ کسووو کے مسئلے پر۔ باوجودیکہ یہ نظریہ کہ امریکہ اسلام مخالف ہے۔ ''القاعدہ'' طالبان اور حکومت ایران کا موضوع رہے گا۔ کئی بار صدر بش نے مسلمانوں کو قائل کرنے کی کوشش کی اور اپنی پرامن نیت اور عزت افزائی سے آگاہ کیا، افسوس کہ یہ کوششیں رائیگاں گئیں۔

اوباما جن کا خاندانی تعلق اسلام سے رہا ہے۔ ان کی اس سلسلے میں اخلاقی اور سیاسی نظریات کی وجہ سے شہرت ہے۔ ان کی تقریر کا مقصد امریکہ اور مسلمانوں کے درمیان موجودہ حالات میں حائل ان رکاوٹوں کو ہٹانا اور مسائل کو سلجھانا ہے جو عراق، پاکستان، افغانستان، مڈل ایسٹ اور ایران جیسے ممالک میں پیش آرہے ہیں۔ مسلمان عزت کے خواہاں ہیں اور عزت کے لئے گھلنا ملنا ضروری ہے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ امریکن سپاہی اور طیارے مسلمانوں پر حملہ نہیں کررہے ہیں، ہم بہرحال دنیا کو یہ باور کرانا چاہ رہے ہیں کہ ہماری مخالفت کرنے والے مسلمانوں کو اور معصوم لوگوں کو ہر روز مار رہے ہیں۔ عراق، افغانستان اور پاکستان میں ہمارے حواری مسلمان ہی ہیں۔ ہم فلسطین کے علاوہ لبنان میں بھی حصہ دار ہیں۔ ہم بیرونی دباؤ سے آزادی کی ہر ملک کی خواہش سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے مقصد کی خاطر کسی کی دھمکی میں نہ آئیں گے۔ ہمارا جنگ جاری رکھنے کا مقصد لوکل آبادی کو سکیورٹی فراہم کرنا ہے تاکہ وہ جلد سے جلد اپنے گھروں کو لوٹ جائے۔ بیرون ملک مقیم مسلمانوں کو امریکہ کی حقیقی تصویر دکھانا ضروری ہے۔ لیکن امریکن بھی مسلمانوں کے متعلق بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام امن کا ایک مذہب ہے، لیکن دہشت گردی کا مذہب سے دفاع کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیمی عقیدے کے دو مختلف پیروکار سمجھتے ہیں، اور مسلمانوں کی اکثریت جن میں امریکی مسلمان شہری بھی شامل ہیں۔ وقار اور بغیر تشدد کے رہنا چاہتے ہیں۔ حالیہ برسوں کی غلطیوں کے باوجود جمہوریت کی حمایت امریکی فارن پالیسی کا اہم حصہ ہونا چاہئے۔ مسلح گروپ جن میں حماس بھی شامل ہے، کی الیکشن میں کوئی جگہ نہیں۔ لیکن پانچ میں سے چار مسلم آبادی والے علاقوں میں خواتین قیادت سامنے آئی ہے اور کویتی پارلیمنٹ میں بھی خواتین کو کامیاب ہونے کا موقع ملا ہے۔ جنوری میں عراقی الیکشن نے ملک کو ایک ہونے کا موقع دیا جب کہ پارلیمنٹ کی بحث سے پرامن بھڑاس نکالنے کا موقع فراہم کیا۔ جمہوریت کا فائدہ یہ ہے کہ یہ عوامی بحث اور جوابدہی کی وجہ سے اپنی اصلاح آپ کرتی ہے۔ یہ تبدیلی کے خواہاں کے لئے ایک غیر متشددانہ نعم البدل ہے۔

(''دی نیویارک ٹائمز''، ترجمہ: افضال مظہر)

اختلافات کو ہوا دینے کی امریکی سازش

محمد احمد کاظمی

گزشتہ دنوں ایران میں صدارتی انتخابات کی مہم کے دوران پاکستان سرحد کے نزدیکی شہر زاہدان میں ایک شیعہ مسجد میں ہوئے بم دھماکے میں تقریباً ۲۰ افراد کے ہلاک ہونے کی خبر کے ساتھ ساتھ یہ بھی خبر شائع ہوئی تھی کہ زاہدان میں ہی صدارتی عہدے کے لئے دوسری بار میدان میں اُترے محمود احمدی نژاد کے انتخابی دفتر پر بھی حملہ کیا گیا ہے جس میں تین افراد زخمی ہوئے ہیں۔ زاہدان کے ان واقعات کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایران کے صدر محمود احمدی نژاد اپنی اسرائیل اور امریکہ مخالفت کے لئے ان دونوں طاقتوں کا مسلسل نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کے موضوع پر صدر احمدی نژاد نے بین الاقوامی سفارتی کوششوں کے ساتھ اسرائیل اور امریکہ کو جس شدت کے ساتھ تھکایا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ امریکہ کے سابق صدر جارج بش کی جانب سے جنگی دھمکیوں کی صدر احمدی نژاد نے جس طریقے سے ہوا نکالی ہے۔ اس سے سب واقف ہیں صدر احمدی نژاد نے اپنی نئی دہلی کے مختصر سفر کے دوران پریس کانفرنس میں واضح طور پر کہا تھا کہ امریکہ، عراق اور افغانستان میں جنگی شکست سے اس حد تک کمزور ہوچکا ہے کہ وہ ایران کے خلاف جنگ شروع کرنے کے لئے سوچ بھی نہیں سکتا۔

عراق جنگ کے بعد میں نے کئی بار برطانیہ کا دورہ کیا ہے اور ماہرین سے اس پورے خطے کے بارے میں بات کی ہے۔ مجھے ایک سیاسی مبصر نے تقریباً چار برس قبل بتایا تھا کہ امریکہ ایران کو داخلی طور پر پریشان کرنے کے لئے کئی قسم کے اقدام کررہا ہے۔ کردوں کے تنازعہ کو ایران نے بہت سلیقے سے سلجھالیا ہے۔ اس وجہ سے اب امریکہ ایران میں سنی عربوں اور بلوچستان کے شدت پسند سنی عناصر کو ایرانی حکومت کے خلاف سرگرم کرنے میں تعاون دے رہا ہے۔ جنوب مغربی ایران کے اہواز صوبے کے اباوان اور خرم شہر وغیرہ میں سنی عربوں کو تہران حکومت کے خلاف بھڑکایا جارہا ہے۔ اہوازی عربوں کی مدد کے لئے امریکہ اور برطانیہ سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح سے پاکستان سے لگنے والی سرحدوں پر امریکہ کی جانب سے سنی شدت پسند تحریک جنداللہ کو سرگرم کیا جارہا ہے۔ ایران نے بھی کئی بار ایسے الزامات لگائے ہیں کہ امریکہ ایران میں موجودہ نظام حکومت کے خلاف کردوں، سنی عربوں اور بلوچستان کے شدت پسند سنی گروپوں کو امداد فراہم کررہا ہے۔ لیکن دنیا کے بیشتر ممالک امریکہ سے متاثر یا خوفزدہ ہونے کے سبب ان الزامات کو نظر انداز کرتے رہے ہیں۔

امریکہ اور یورپ نے ایران کے ایٹمی پروگرام کے بہانے سے عربوں کو اس قدر اسرائیل دوست بنادیا ہے کہ اب بیشتر عرب ملکوں میں اسرائیلی تجارتی کمپنیاں کھلے عام کاروبار کررہی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں حرم کعبہ

باقی صفحہ ۸ پر

صدر امریکہ کا دورہ مشرق وسطیٰ

خورشید الزماں عباسی

امریکہ کے صدر بارک حسین اوبامہ نے اپنی حلف برداری کی پہلی صدارتی تقریر میں کہا تھا کہ مسلم دنیا سے ہمارے تعلقات ذاتی دلچسپی اور باہمی عزت واحترام پر مبنی ہوں گے۔ عنان اقتدار سنبھالنے کے بعد صدر اوبامہ نے کینیڈا، برطانیہ اور یورپ کا دورہ کیا مشرق وسطیٰ اور یورپ کے حالیہ دورے پر روانگی سے قبل اوبامہ نے اسرائیل کے وزیر اعظم اور فلسطین کے صدر سے گزشتہ ہفتے ملاقاتیں کیں مشرق وسطیٰ کے دورے کے پہلے مرحلہ پر اوبامہ نے سعودی عرب کے بادشاہ شاہ عبداللہ سے ملاقات کی اور کہا کہ میرا یہاں آنا اس لئے ضروری ہے کہ اسلام کا آغاز یہاں سے ہوا اور ہمیں عرب رہنماؤں سے مذاکرات کرکے مشرق وسطیٰ میں درپیش مسائل کم کرنے ہیں جن کا ہمیں یہاں سامنا ہے۔

صدر اوبامہ نے Majestys council کے الفاظ سے عرب قیادت کو مخاطب کرکے بلاشبہ انہیں بہت عزت دی مجلسی کونسل سے مراد جہاں سے قوانین سیکھے جاتے ہیں۔ یا جہاں سے اصل قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب کہ بالفاظ دیگر اس کونسل کو قوانین وضع کرنے والی کونسل کہا جاتا ہے۔ ادھر امریکی تجزیہ نگاروں اور فارن ریلشن کے ماہرین کے بقول اوبامہ کے اس دورے کا مقصد عرب، اسرائیل تعلقات جمہوریت انسانی حقوق خواتین کے حقوق اور مشرق وسطیٰ میں قیام امن کا مشن بتایا گیا۔ امریکی صدر نے مسلم دنیا سے مخاطب ہونے کے لئے قاہرہ یونیورسٹی کا انتخاب کیا کیوں جب کہ مسلم دنیا کا مرکز سعودی عرب ہے۔ اور بقول صدر اوبامہ کے یہاں سے اسلام کا آغاز ہوا سعودی عرب میں بھی اعلیٰ تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ اس کا جواب بقول ڈپٹی/سیکورٹی ایڈوائزر یہ ہے کہ Denis Mcdonough مصر امریکہ کا بہت لمبے عرصہ سے اتحادی ہے۔ جب کہ عرب مسلم دنیا میں مصر ایک اہم ترین ملک کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے صدر اوبامہ نے مصر کی نوجوان نسل کا انتخاب کیا تاکہ وہ ان سے مخاطب ہوکر مسلم دنیا کو پیغام دے سکیں۔ مصر کے ۸۱ سالہ صدر حسنی مبارک نے مصر پر طویل ترین حکمرانی کا اعزاز قائم کر رکھا ہے۔ یاد رہے کہ مصر کو امریکہ سالانہ ایک بلین ڈالر امداد فراہم کرتا ہے کچھ عرصہ قبل تک اسی یونیورسٹی کے طلباء حکومت کی جانب سے یونیورسٹی میں زیر تعلیم طلباء سے زائد فیس لینے پر احتجاج کر رہے تھے۔ جب کہ بلڈنگ انتہائی پرانی ہونے کی شکایت کے علاوہ عمارت کو رنگ روغن کا مطالبہ کرتے تھے۔ بالآخر اوباما کی آمد یونیورسٹی کی عمارت کے رنگ روغن کا مسئلہ حل ہوگیا۔ بہرحال صدر اوبامہ کی اس تقریر کی منتظر دنیا کے سامنے سب کچھ واضح ہوگیا ہے۔ ساری تقریر کے متن کو اگر حصوں میں تقسیم کرکے دیکھا جائے تو کچھ بامقصد نکات یہ دکھائی دیتے ہیں۔

اسرائیل اور امریکہ کا تعلق اٹوٹ ہے اور فلسطینیوں کو تشدد کا راستہ چھوڑنا ہوگا تشدد کے ذریعے مزاحمت غلط ہے۔ اور یہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ انہوں نے اسرائیلیوں سے کہا کہ وہ فلسطین کے وجود کو تسلیم کریں۔ یہودی بستیوں میں توسیع کے عمل کو روکے بغیر فلسطین اور اسرائیل کے مسئلے پر کوئی پیشرفت ممکن نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل کو اعتراف کرنا ہوگا جس طرح اس کے حق وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح فلسطین کا حق بھی چھینا نہیں جاسکتا۔ امریکہ مسلسل اسرائیلی یہودی بستیوں کو کبھی جائز نہیں سمجھے گا۔ اس تعمیر سے ماضی کے معاہدوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اسرائیل کو ان بستیوں کی تعمیر بند کرنی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کی نسل کشی کی حقیقت کو تسلیم نہ کرنا انتہائی غلط ہے انہوں نے فلسطین کی موجودہ حالت کو ناقابل برداشت قرار دیا۔ مسلم دنیا کو جو قابل ذکر سبق اوبامہ نے قرآن پاک کے حوالے سے دیا کہ ایک شخص کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے اور ایک شخص کو بچانا ساری انسانیت کو بچانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے قرآنی حوالہ سے ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین بھی کی انہوں نے مسلمانوں کو امریکہ کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرنے اور یہودیوں کے بارے میں غلط خیالات دور کرنے کی ہدایات کیں۔ جب کہ انہوں نے سب باتیں ایک دوسرے سے کہنے اور سننے کی عادت ڈالنے پر زور دیا ایک دوسرے کی عزت اور مشترکہ سوچ پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ تین بڑے مذاہب کی یہ مقدس سرزمین یروشلم امن کی پناہ گاہ بن جائے جس کے لئے خدا نے اس کو بنایا جب یروشلم یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے محفوظ گھر بن جائے ابراہیم کی اولاد کے لئے امن کا مقام بن جائے۔ ایران کے بارے میں اوبامہ نے کہا کہ کچھ عرصہ سے ایران نے امریکہ کی مخالفت کو اپنا تشخص بنالیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران اب کس کا مخالف ہے؟ میں نے ایرانی رہنماؤں کو صاف اور واضح کہہ دیا ہے کہ امریکہ آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہے۔

انھوں نے کہا کہ ایران کس کا مستقبل چاہتا ہے؟ باقی نئے تعلقات کا نیا باب کھولنے عراق افغانستان جنگ دہشت گردی کے خاتمہ کی مشترکہ کاوشیں وغیرہ وغیرہ کوئی نئی بات نہیں۔ ایسا محسوس ہورہا تھا اوبامہ کی اس تقریر سے کہ گویا وہ امریکی صدر نہیں، بلکہ بین الاقوامی مذاہب کے کوئی مبلغ ہیں۔ جو انسانیت کی بھلائی کے لئے تبلیغ کررہے ہیں۔ اس تقریر کے ردعمل کے طور پر مسلم دنیا سے داد تحسین اور واہ واہ تو صدر اوبامہ نے بلاشبہ کروائی جب کہ بقول اسرائیلی ذرائع، دونوں سابق امریکی صدر کلنٹن اور جارج ڈبلیو بش نے بھی فلسطین کے بارے میں یہی کچھ کہا۔ مگر کیا کچھ نہیں امریکہ جو کہ پوری دنیا پر راج کرنے والا ملک ہے۔ جس کا ایک عام کانگریس مین یا معمولی سٹی لیول کا کونسلر ایک اچھی تقریر کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔ اور جب امریکہ کے بین الاقوامی دنیا میں گرتے ہوئے مقام کو بحال کرنے کی خاطر صدر امریکہ کو تقریر کرنا ہوگی تو ہر ذی شعور جانتا ہے اس تقریر کا متن اپنے الفاظ کے اعتبار سے خوبصورت ہوگا بات تقاریر کے مقاصد پر حقیقی عمل درآمد سے بنا کرتی ہے۔ اوبامہ کی حالیہ تقریر سے کہیں زیادہ خوب صورت تقاریر امریکن صدور کے تاریخی ریکارڈ پر موجود ہیں۔ صدر اوبامہ جو کہ مسلم ورلڈ کا لفظ ایک لمبے عرصہ سے استعمال کر رہے ہیں۔ اس پر خود امریکی میڈیا کے تجزیہ نگار کیا کہہ رہے ہیں۔ این پی آر کے مطابق امت مسلمہ یعنی مسلم ورلڈ کا از خود کوئی وجود نہیں ان کے بقول مسلم ورلڈ جو کہ ملٹی کلچر زبانوں اور مختلف ایشوز میں منقسم ہیں۔ کیسے مسلم ورلڈ کہلا سکتی ہے۔ ان تجزیہ نگاروں کے بقول اوباما کو مسلم ورلڈ کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ عالمی حالات کے ماہر تجزیہ نگاروں کے بقول امریکی میڈیا کی جانب سے اس طرح کی بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ مغربی ممالک اپنے مشترکہ مفادات پر جس طرح متحد و منظم ہیں۔

امت مسلمہ کے دعوے داروں کا اس حوالہ سے کوئی ریکارڈ نہیں، بلکہ امریکی میڈیا کے ماہرین کو کھول کر اس کے پس پردہ حقائق پوری دنیا پر واضح کرنا چاہئے کہ مسلم ورلڈ کو امت مسلمہ کس نے اور کیوں نہیں بننے دیا۔

بلاشبہ جس سچ کی تلقین صدر اوبامہ نے مسلم دنیا سے مخاطب ہوکر کی ہے وہ سچ تو مغربی میڈیا بول رہا ہے اگر اوبامہ کی اس تقریر پر غور کیا جائے تو چھ سو الفاظ عرب اسرائیل امن سے متعلق جب کہ ایک ہزار الفاظ مشرق وسطیٰ کے مسائل سے متعلق تھے۔ اوبامہ کی تقریر امریکہ کے مفادات کو اولیت جب کہ امریکہ اسرائیل اٹوٹ کی اہمیت واضح کر رہی تھی۔ مسلم دنیا سے تعلقات کو قرآنی حوالہ سے انتہائی خوبصورت انداز اور پیرائے میں بیان کیا گیا امت مسلمہ کہلانے والی مسلم ورلڈ کو سچ کی تلقین واضح بتا رہی تھی کہ تبدیل ہوجاؤ تو تعلقات کا نیا باب شروع ہوسکتا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے مسائل اور قیام امن کا آغاز اگر مصر میں جمہوریت اور انسانی حقوق اور خواتین کے حقوق کے حل سے کیا جائے۔ عراق، افغانستان کی طرح مصری عوام بھی امریکہ کا یہ احسان یاد رکھے گی۔ اگر امریکہ دنیا میں قیام امن کے لئے اتنا سنجیدہ ہے۔ تو پھر تیسرے جنگ عظیم کے خطرات اور نیٹو فوج کی ضرورت کیا معنی رکھتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں امن اسی صورت قائم ہوگا۔ جب مسلم دنیا کے ساتھ مغربی دنیا بھی حقیقی تبدیلی کے لئے سنجیدہ کوشش کرے گی۔ ●●

حماس اور الفتح مشترکہ سیکورٹی فورس کے قیام پر متفق

صبا ممتاز

حماس اور الفتح میں مشترکہ سیکورٹی فورس کے قیام پر مذاکرات کا سلسلہ کافی دیر سے چل رہا تھا، مگر اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ رہا تھا۔ لیکن آخر کار دونوں تنظیمیں مشترکہ سیکورٹی فورس کے قیام پر رضامند ہوگئی ہیں۔ فلسطین کی دونوں بڑی تنظیموں حماس اور الفتح نے جنوری ۲۰۱۰ء تک مشترکہ سیکورٹی فورس کے قیام پر اتفاق کرلیا ہے۔ جب کہ مصر نے دونوں فریقوں میں معاہدے کی صورت میں غزہ بارڈر کھولنے پر بھی رضامندی ظاہر کردی ہے۔ اس معاہدے کے بارے میں الفتح کے سینئر رہنما نبیل شاہ نے خبر رساں اداروں کو بتایا، انہوں نے کہا کہ غزہ کی سیکورٹی کے لئے مشترکہ فورس کے قیام کے معاہدے پر اصولی اتفاق ہوگیا ہے۔ یہ فورس اگلے سال پانچ جنوری تک قائم کی جائے گی، جب کہ پانچ جنوری کو فلسطینی عوام الیکشن کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ مصری انٹیلی جنس کے سربراہ عمر سلیمان نے جوان دونوں گروپوں میں ثالثی کا کردار ہے ہیں، دونوں فریقوں کو یقین دلایا کہ اگر وہ مفاہمت پر راضی ہوگئے تو مصر غزہ سرحد کھول دے گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حماس اور الفتح میں حقیقی پائیدار اور مثبت روابط فروغ پائیں تاکہ مسئلہ فلسطین کا کوئی حل سامنے آسکے۔ اسرائیل میں انتہا پسند حکومت برسر اقتدار آجانے کے بعد حماس اور الفتح میں خوشگوار تعلقات کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے، کیونکہ انتہا پسند اسرائیلی حکومت فلسطینی ریاست کی تشکیل کے ہرگز حق میں نہیں۔ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو بارہا دو ریاستی فارمولے کو تسلیم کرنے سے انکار کرچکے ہیں۔ فلسطینی ریاست کی تشکیل کی نفی تو ان کا وطیرہ خاص بن چکی ہے۔ حالانکہ اس وقت عالمی محاذ پر نیتن یاہو حکومت کو سخت تنقید کا سامنا ہے۔ یورپی یونین نے بھی اسرائیل کو خبردار کیا ہے کہ جب امریکی صدر اوباما نے بھی بطور خاص دو ریاستی فارمولے کا تذکرہ کیا ہے، مگر اسرائیل کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی اور وہ کسی صورت دو ریاستی فارمولے کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ یورپی یونین اور امریکہ کے دباؤ میں آنے کے بجائے ان پر شدومد سے دباؤ ڈال رہا ہے۔ کہ وہ عربوں کی حمایت کرنا چھوڑ دے، خصوصاً مسئلہ فلسطین میں دلچسپی لینا ترک کردے ورنہ اسرائیل یورپی یونین سے تعلق توڑ لے گا اور امریکہ سے اپنے روابط ختم کردے گا۔ اسرائیل کو جب عالمی سطح پر اپنی مخالفت نظر آتی ہے تو وہ مختلف تاویلات اور شرائط پر اتر آتا ہے۔ حال ہی میں اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے فلسطینی حکومت سے مذاکرات پر مشروط رضامندی ظاہر کی۔

نیتن یاہو نے کہا کہ وہ اسرائیل سے مذاکرات کے لئے تیار ہیں۔ مگر مذاکرات سے قبل اسرائیل کو تسلیم کیا جائے۔ نیتن یاہو کی یہ شرط چالاکی کے سوا اور کچھ نہیں، کیونکہ مذاکرات کا انعقاد پہلے ہوتا ہے اور کسی فارمولے یا ریاست کو تسلیم کرنے کی بات بعد میں۔ اسرائیل یہ سب کچھ پہلے چاہتا ہے حالانکہ عرب لیگ متعدد بار کہہ چکی ہے کہ اگر اسرائیل چند جائز مطالبات کو تسلیم کرلے تو تمام عرب ممالک نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کرلیں گے بلکہ اس سے صلح کن مفاہمتی عمل کو آگے بڑھایا جائے گا۔ اس سے تجارتی تعلقات کو بھی فروغ دیا جائے گا۔ اسرائیل کو یہ سودا منظور نہیں کیونکہ وہ "کچھ دو اور کچھ لو" کے اصول کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس بنیادی اصول کی دھجیاں اڑا کر دم لینا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی مطالبے کو ماننے کے لئے تیار نہیں، نہ ہی وہ کسی امن فارمولے کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کی یہ ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی ساری دنیا پر عیاں ہے۔

اسرائیل اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہے جب تک وہ فلسطینی دھڑوں میں پھوٹ نہ ڈلواتا۔ اسرائیل کے الفتح سے قریبی روابط کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ درحقیقت یہ اسرائیل ہی ہے جو کہ ان دونوں گروپوں میں محاذ آرائی کا خواہاں ہے اور اس کے لئے ماحول پیدا کرتا رہتا ہے۔ فلسطین میں دونوں دھڑوں کی اپنی اپنی مشترکہ سیکورٹی فورس ہے۔ حماس کی سیکورٹی فورس غزہ کے کنارے پر جب کہ الفتح کی مغربی کنارے پر کام کررہی ہے۔ فلسطین کی آزادی کے حمایتی فریقوں کی فورس تو ایک ہونی چاہئے، جب کہ یہ دونوں بجائے اسرائیل کے خلاف یکجا ہوکر صف آراء ہونے کے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔

اکثر حماس اور الفتح کی فورسز کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے جو فلسطینی کاز کے لئے بذات خود نقصان دہ ہے۔ ایسے میں ایک مشترکہ سیکورٹی فورس کے قیام کی ضرورت بہت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ مصر دونوں فریقوں میں مختلف معاملات کو لے کر چل رہا تھا، مصر کی مداخلت اور کوششوں کی وجہ سے دونوں فریقوں میں مشترکہ سیکورٹی فورس کے قیام پر اتفاق رائے ہوگیا ہے، لیکن اس فورس کے قیام کی تشکیل ۲۰۱۰ء کے جنوری میں کی جائے گی۔ اس وقت تک دونوں فریقوں میں امن اور باہمی اتفاق یا پختہ عزم رہنا ضروری ہے تاکہ یہ منصوبہ کسی گڑبڑ کا شکار نہ ہوجائے۔

اسرائیل کی پوری کوشش یہی ہوگی کہ وہ ان دونوں فریقوں کو کسی بھی صورت یکجا نہ ہونے دے اور کسی نہ کسی طریقے سے ان میں پھوٹ ڈال دے۔ اسرائیل اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں، ایسے میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ حماس اور الفتح بشمول دیگر تمام فلسطینی دھڑوں کے پوری طرح اسرائیل پر دباؤ ڈالیں۔ اسرائیل پر حماس اور الفتح کی یکجائی شاق بن کر گزرے گی اور وہ خود کو سمیٹنے پر مجبور ہوجائے گا۔ کیونکہ فی الوقت اسرائیل کسی طرح کے سمجھوتے کے لئے تیار نہیں، جس کا ثبوت اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کے بیانات سے ہوتا ہے، اسرائیلی صدر نیتن یاہو نے اعلان کیا ہے کہ امریکی کوششوں کے باوجود مغربی کنارے کے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں یہودی بستیوں کی تعمیر جاری رہے گی۔ ہفتہ وار کابینہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کوئی ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا۔

اسرائیلی وزیر خارجہ لیبر مین نے سرحدیں ۱۹۶۷ء کی پوزیشن میں لے جانے سے انکار کردیا اور کہا کہ کئی عشروں سے جاری فلسطینی اسرائیلی لڑائی کا حل نہیں۔ اس سے امن کی ضمانت نہیں ملے گی۔ اسرائیل حماس کو دشمن سمجھتا ہے اور وہ پسند نہیں کرتا کہ عالمی برادری حماس سے تعلق بڑھائے یا حماس کو فلسطینی عوام کی رہنما تنظیم خیال کرتے ہوئے اس سے مذاکرات کرے۔ روسی وزیر خارجہ سرگئی لاروف کی حماس کے سربراہ خالد مشعل سے دمشق میں ملاقات کو اسرائیل ہضم نہیں کرپا رہا ہے اس نے روس کے وزیر خارجہ کی خالد مشعل سے ملاقات پر مایوسی کا اظہار کیا اور کہا ہے کہ اسرائیل روس کی طرف سے دہشت گرد تنظیم کے ساتھ تعلقات رکھنے کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے اس کا شدید صدمہ ہوا ہے۔

اسرائیل حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دیتا ہے اور اس نے عالمی سطح پر حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دلوانے کی مہم چھیڑ رکھی ہے۔ یورپی یونین اور امریکہ اسرائیل کے اسی پروپیگنڈے کی وجہ سے اور اپنے مفاداتی مقاصد کے لئے حماس کو کانٹا سمجھنے کی وجہ سے دشمن خیال کرتے ہیں۔ حماس بہادری اور دلیری کے ساتھ اپنے کاز کے لئے لڑ رہا ہے۔ وہ کسی لالچ یا دباؤ میں آکر اپنے مقاصد کو پس پشت ڈالنے یا فلسطینی جدوجہد آزادی سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے اپنی جانوں اور مالوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آزادی کا علم بلند رکھا ہے۔ یورپ، یہود نے اسے اپنے دباؤ میں لینے یا لالچ دینے کی بہت کوشش کی مگر حماس اس طرح کے کسی فریب میں نہیں آئی، حماس کا یہ رویہ اسرائیل اور یورپ کو کھٹکتا ہے۔ اب اسرائیل اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ کسی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ یہودی آباد کاری کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔ امریکی صدر بارک اوباما نے بھی اسرائیل پر زور دیا ہے کہ وہ مغربی کنارے میں یہودی آباد کاری کو روک دے۔

صدر اوباما نے کہا کہ اسرائیل کو بہرحال کسی سمجھوتے پر پہنچنے کے لئے یہودی آباد کاری کو روکنا ہوگا۔ انہوں نے ایک بار پھر دو ریاستی حل کی حمایت پر زور دیا ہے اور کہا کہ دو آزاد ریاستوں کا حل فلسطین، اسرائیل، امریکہ اور عالمی برادری کے لئے نیک شگون ہوگا۔ محمود عباس نے آزاد فلسطینی ریاست کی حمایت کرنے پر اوباما کے اعلان کا خیر مقدم کیا ہے۔ گزشتہ دنوں پوپ بنی ڈکٹ نے اسرائیل کا دورہ کیا۔ انہوں نے مقبوضہ بیت المقدس میں تمام مذاہب کے لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس شہر میں رہائش، ملازمت اور تعلیم کے معاملے میں کسی مذہب کے لوگوں کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہیں ہونا چاہئے۔ اس دورہ میں پوپ نے فلسطینیوں کی آزاد وخودمختار ریاست کی حمایت کرتے ہوئے عالمی برادری پر زور دیا کہ وہ مشرق وسطیٰ کے دیرینہ مسئلے کے حل کے لئے آگے بڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ فلسطینیوں کو اپنے آباؤ اجداد کی زمین پر آزاد ریاست کے قیام کا اختیار ہے جس کی بین الاقوامی سرحدیں ہونی چاہئیں۔ فلسطینیوں اور یہودیوں کا نام لئے بغیر انہوں نے کہا کہ دونوں کو ماضی کی تلخیاں بھلا کر مفاہمت کی پالیسی اپنانی چاہئے۔ مشرق وسطیٰ کا مسئلہ اس وقت عالمی سطح پر زیر بحث ہے۔ ایسے میں فلسطین کے دونوں گروپوں کے درمیان مفاہمت بے حد ضروری ہے۔ فلسطین کے ان دونوں دھڑوں میں جون ۲۰۰۶ء میں حماس کے غزہ کا زبردستی کنٹرول حاصل کرنے کے بعد شدید مخالفت پائی جاتی ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے غزہ پر حماس کے قبضے کو بغاوت قرار دیتے ہوئے حماس کے اتحادیوں کی کابینہ کو معطل کردیا تھا اور اسرائیل سے پینگیں بڑھانا شروع کردی تھیں۔ فلسطین کے ان دونوں دھڑوں کے اختلافات روز بروز بڑھتے چلے گئے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے عرب ممالک نے ثالث کا کردار ادا کرنا ضروری سمجھا۔ ۲۰۰۸ء میں سینی گال میں بھی ان دونوں کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ چلا۔ سینی گال نے دونوں کے درمیان معاہدے یا مذاکرات کی بھرپور کوشش کی مگر بیل کسی منڈھے نہ چڑھ سکی۔ ان مذاکرات میں پیش رفت کا سہرا حماس کو جاتا تھا جس پر حماس کے ترجمان نے کہا تھا کہ حماس نے مذاکرات کی طرف قدم بڑھائے ہیں مگر الفتح تنظیم سے بھی مطالبہ ہے کہ وہ ایسے مثبت اقدامات کرے جو سنجیدگی اور اچھی نیت پر مبنی ہوں۔

سینی گال سے قبل مصر اور یمن نے بھی حماس اور الفتح کے درمیان اختلافات ختم کروانے کی کوششیں کی تھیں، اب مصر نے دوبارہ دونوں فریقوں کو ایک معاہدے کی صورت میں اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے ۲۰۰۷ء میں اس وقت تک حماس سے بات چیت کرنے سے انکار کردیا تھا جب تک حماس غزہ کا قبضہ نہیں چھوڑتی۔ ۲۰۰۸ء میں یمنی حکومت کی ثالثی کے بعد دونوں دھڑے مذاکرات پر رضامند ہوئے، اس وقت بھی محمود عباس نے ان مذاکرات کو اس لئے قبول کیا کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ حماس غزہ کا کنٹرول محمود عباس کے حوالے کردے۔

محمود عباس کا حماس کے ساتھ مذاکرات کو خوش دلی سے قبول نہ کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اسرائیل کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے یہ خدشہ تھا کہ اسرائیل الفتح سے تعلقات منقطع کردے گا۔ اب محمود عباس کے حماس سے تعلقات کو اسرائیل صرف اسلئے گوارا کررہا ہے کیونکہ اس نے غزہ پر جارحیت کے دوران اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ حماس کو کچلنا یا صفحۂ ہستی سے مٹا دینا دیوانے کا خواب ہے۔ ●●

خطوط ومسائل

گوجر برادری اور تبدیلیٔ مذہب

دعوت ۷ر مئی ۲۰۰۹ء کے خبر ونظر میں راجستھان کے گوجر طبقہ کا ارادہ اور ہندوستانی تہذیب کا مختصر جائزہ لیا گیا۔ پڑھنے کے بعد ہم یہ بات ظاہر ہوئی کہ عام شہری کی بہ نسبت کچھ طبقے مخصوص زمرے میں رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ حکومت سے مراعات حاصل ہوں چاہے اس کی وجہ سے نچلی یا پچھڑی ذات ان کی مستقل پہچان ہی کیوں نہ بن جائے؟ دوسری بات تبدیلیٔ مذہب کی ہے۔ باعزت زندگی کے لئے آخر کون سا مذہب اختیار کیا جائے۔ عیسائیت میں چمک دمک گلیمر ضرور ہے لیکن طبقاتی فرق یہاں بھی موجود ہے۔ چرچ میں امتیازی سلوک یہ کہ امیروں کے لئے سامنے صوفے مختص رہتے ہیں جبکہ غریب افراد کو پیچھے بنچ پر بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک عام تاثر یہی ہے کہ یہ لوگ نچلی اور پچھڑی ذات ہیں یعنی وہی چھاپ برقرار ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیت کا تصور مغربی تہذیب بھی ہے جسے نفس امارہ بخوشی قبول کرلیتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام میں داخلے کے لئے کافی ہمت چاہئے۔ سب سے پہلے اپنے رب حقیقی کی پہچان ہے، اس کے بعد رب کے احکام کی پابندی، جو ایسا جکڑتی ہے کہ شر کا موقع نہیں دیتی۔ جائزے میں ڈاکٹر امبیڈکر کا بھی ذکر آیا ہے۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ بدھ مت اختیار کرنے سے قبل ڈاکٹر امبیڈکر نے جہاں مختلف مذاہب پر غور کیا ہے وہیں اسلام کو بھی اچھی طرح دیکھا اور سمجھا ہوگا اسی لئے انھوں نے کہا تھا کہ میں اسلام اس لئے قبول نہیں کرتا کہ اگر میں سنی بنوں تو شیعہ مجھے کافر کہیں گے اور شیعہ بنوں تو سنی مجھے کافر کہیں گے۔ اگر دونوں حالتوں میں کافر ہی رہوں تو حقیقی کافر بن کر رہنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی اس تنقید Remark کو بے شمار حضرات نے بڑی قدر سے دیکھا ہوگا لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ حقیقت اور سچائی سے فرار اور ذہن پر ابلیس کا غلبہ ہے۔ جب اسلام اچھی طرح سمجھ میں آگیا تو کسی کے کچھ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ حقیقت تو حقیقت ہی رہے گی۔ ایک صاحب داخل اسلام ہوئے۔ اہل تشیع حضرات نے انہیں بتایا کہ اصل اسلام شیعائیت ہے۔ ان صاحب نے سوچنے کے لئے تین دن کی مہلت مانگی۔ تیسرے دن انھوں نے سوال کیا کہ حضور ﷺ شیعہ تھے یا سنی؟ جواب ملا کہ ایسا کچھ بھی نہیں تھے۔ نومسلم نے کہا کہ بس، میں وہی ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اب رہا آخری نکتہ کہ اسلام یا عیسائیت قبول کرلینے سے گوجر طبقہ کی زندگی بہتر ہوجائے گی انہیں دوراہے پر کھڑا کرتا ہے۔ اگر دنیوی زندگی کے فائدے چاہئیں تو عیسائیت انتہائی پرکشش ہے جو عارضی ہے اور اسلام چاہئے تو آخرت انتہائی پرکشش ہے جو دائمی ہے۔

ابوالمجاہد احمد جریر
بنجارہ ہلز، حیدرآباد

طلباء چھٹیوں کے دنوں کا بہتر استعمال کریں

کالج اور مدارس کی طویل چھٹیوں کا آغاز ہوچکا ہے۔ طلباء وطالبات ان اوقات میں عموماً آرام کرنے کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ کھیل کود، تفریح ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ طالب علمی کی بوجھل زندگی سے نکل کر وہ سکون اور آزاد فضا میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ طلب فطری اور زندگی کی توانائیوں کو دوبارہ بحال کرنے کے لئے ضروری ہے۔ مگر اس کو حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ یہ موسم اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس میں ہم اپنی جسمانی اور فکری کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر اوقات کو منظم کرنے کی عادت نہیں ہے تو اس کو منظم کریں۔ صحت اور غذا پر خصوصی توجہ دیں اور اپنے لئے کسی نہ کسی ورزش کا معمول بنالیں۔ صبح فجر کے وقت اٹھ جائیں اور ورزش کریں جیسے چہل قدمی وغیرہ جو بہت ہلکی ورزش ہے ورنہ نوجوان اس سے زیادہ بھی کرسکتے ہیں۔ روز نہانے کی عادت ڈالیں۔ صاف ستھرے کپڑے پہنیں، اخبار بینی اور لائٹ لٹریچر کا مطالعہ کریں تاکہ مطالعہ کی عادت برقرار رہے۔ دینی مدارس کے طلباء وطالبات ان دنوں میں جدید علوم کی معلومات حاصل کریں اس کے لئے کتابیں موجود ہیں۔ انگریزی مدارس کے طلباء کو چاہئے کہ وہ دینی معلومات حاصل کریں، کم ازکم بنیادی نوعیت کی مثلاً اسلام کیا چاہتا ہے؟ اس کے پیش نظر زندگی کا مقصد کیا ہے؟ زندگی اور موت کی حقیقت کیا ہے؟ آخرت پر ایمان کیوں ضروری ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں بھی چھوٹے چھوٹے کتابچے معلومات فراہم کرسکتے ہیں۔ ملک وقوم کا اصل مسئلہ اخلاقی ہے۔ موجودہ صورتحال بتاتی ہے کہ مغرب کی نقالی میں ہم روز بروز ترقی کررہے ہیں اور اخلاقی اعتبار سے ہمارا معیار گر رہا ہے۔ اصل اہمیت انسان کی ہے اگر اس میں جوہر انسانیت ختم ہوجائے تو وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔ اس کا یہ جوہر اخلاقی شعور ہے اور اس سے ہم کو نہ صرف واقف ہونا چاہئے بلکہ بااخلاق قوم بن کر ابھریں کیونکہ قوموں کے عروج وزوال کا پیمانہ یہی اخلاق وکردار ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ یہی بتاتا ہے۔

ابوالکرم عرفان
حیدرآباد

تعلیمِ بالغات — پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یورش تاتار کے تعلق سے علامہ اقبالؔ نے اپنے شعر

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

کے ذریعے ماضی کے ایک دور کی تاریخ کو کوزے میں سمندر کے مصداق سمو دیا ہے۔ اس کا ایک خفیف سا پرتو ہمیں تعلیم بالغان کے تعلق سے دیکھنے کو ملا۔ اور مل رہا ہے۔ بڑھاپور ایک بڑا قصبہ ہے ضلع بجنور کا۔ وہاں ہماری دلت بچیوں نے مسلمانوں کے محلے کا سروے کیا اور اب وہاں مرکز تعلیمِ بالغات قائم کردیا گیا ہے۔ ہمیں بڑھاپور میں کوئی مسلم خاتون نہیں مل سکی اور کوئی ملی بھی تو یہ درد سر لینے کو تیار نہیں تھی اپنی ہی دلت بچیاں روزانہ بڑھاپور جارہی ہیں اور مسلم بچیوں کو بڑی پابندی سے پڑھا رہی ہیں۔ ہماری یہ دلت بچیاں تعلیم بالغان ہی کی دین ہیں۔ نگینہ سے یہ قصبہ پندرہ کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ اس قصبہ میں ناخواندگی اپنے عروج پر ہے۔ ہمارے ہی سامنے ایک خاتون دور کے ایک محلّہ سے آئی ہے کہ ہم نے سنا ہے آپ بڑی لڑکیوں کو تعلیم دیتے ہیں ہمارے یہاں بھی تعلیم شروع کردو ہماری بہت بچیاں ان پڑھ ہیں۔ محلّہ کا نام رحمت گنج ہے۔ ملت کے کچھ اصحاب تھوڑی سی توجہ فرمالیں اور صرف پانچ سال کے لئے اس مہم کو چھیڑ دیں تو ملت میں ناخواندگی ماضی کی ایک گئی گزری داستاں بن سکتی ہے ورنہ یہ بیماری اپنا اثر دکھاتی ہی رہے گی۔

محمد داؤد۔ نگینہ

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● نئی دہلی۔ پندرہویں لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے مشترکہ اجلاس سے صدر جمہوریہ پرتبھا پاٹل کے خطاب پر شکریہ کی تحریک پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر گرجا ویاس نے کہا کہ پچھلے پانچ برسوں میں این ڈی اے اور بائیں محاذ کی دخل اندازی سے معاشی ترقی میں ضرور کچھ رکاوٹ پڑی تاہم اقتصادی کساد بازاری کے باوجود شرح نمو ۹ فیصد سے اوپر رہی جو سابق این ڈی اے حکومت میں ۸۔۵ فیصد تھی۔

● نئی دہلی۔ جنتا دل متحدہ کے صدر شرد یادو نے موجودہ خواتین بل کی مخالفت کرتے ہوئے دھمکی دی کہ وہ زہر کھالیں گے لیکن بل کو پاس نہیں ہونے دیں گے۔ بل کا مقصد خواتین کو آگے بڑھانا نہیں بلکہ پسماندہ اور نہایت پسماندہ لوگوں کو ایوان میں پہنچنے سے روکنا ہے۔ ہم تعداد میں بھلے ہی کم ہوں لیکن غلط کام کو برداشت نہیں کریں گے۔

● نئی دہلی۔ بی جے پی کے لیڈر ایل کے آڈوانی نے لوک سبھا میں خواتین بل کی حمایت کی اور ممبئی حملوں کی جانچ کے لئے ایک کمیشن تشکیل دینے کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے مطالبہ مسترد کردیا۔

● نئی دہلی۔ ڈاکٹر مونٹیک سنگھ اہلووالیہ پھر سے پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیرمین مقرر کئے گئے جبکہ مہر شاہ، سمترا چودھری، نریندر یادو، بی کے چترویدی، ابھیجیت سین اور سعیدہ حمید ارکان بنائے گئے ہیں۔

● نئی دہلی۔ جی کے پلائی نئے مرکزی داخلہ سکریٹری بنائے گئے ہیں جو ۳۰؍جون کو مدھوکر گپتا کی جگہ لیں گے۔

بین الاقوامی

● پیرس۔ فرانس کی وزارت خارجہ اور یورپی امور کے ترجمان ایرک شیولیئر نے کہا ہے کہ ممبئی حملوں کی تحقیقات اور اس کے ذمہ داروں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کیلئے پاکستان کو قول وقرار کی پابندی کرنی چاہئے۔

● کٹھمنڈو۔ نیپال کی آئین ساز اسمبلی میں چوتھی بڑی پارٹی مدھیشی جن ادھیکار فورم تقسیم ہوگیا اور اس نے حکومت سے اپنی حمایت واپس لے لی، جس کے بعد نیپال پھر سیاسی عدم استحکام کی راہ پر گامزن ہوگیا۔

● واشنگٹن۔ امریکی صدر بارک حسین اوباما نے کہا ہے کہ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کو بوچن والڈ قید خانے کا دورہ کرنا چاہئے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں ۵۶ ہزار یہودیوں کو قتل کیا گیا تھا۔ این بی سی نیوز کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں اوباما نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی کوئی فکر نہیں جو تاریخ سے انکار کرتے ہیں۔ ہولوکاسٹ کی تاریخ ایک حقیقت ہے جو ذہنی اختراع پردازی نہیں ہے۔

● اسلام آباد۔ پاکستان کے شمال مغربی صوبہ سرحد کے بالائی دیر کی ایک مسجد میں بم دھماکے میں ۴۰۔۵۰ نمازیوں کی موت ہوگئی۔

● اسلام آباد۔ پاکستان و افغانستان کیلئے امریکہ کے خصوصی ایلچی رچرڈ ہالبروک نے اپنے دورے کے دوران سوات سے بے گھر ہوئے شہریوں کی مدد کے لئے بیس کروڑ ڈالر کی امداد کے علاوہ مزید گیارہ کروڑ ڈالر کی امداد کا اعلان کیا۔ وہاں تقریباً پچیس لاکھ افراد نقل مکانی کرچکے ہیں۔

● ملبورن: آسٹریلیا میں ہندوستانی طلباء پر ایک اور حملہ ہوا، حالیہ دنوں میں یہ دسواں حملہ تھا۔

بقیہ: عورت کی ناز برداری اور عورت کی تذلیل

خاندان کا حصہ بن گئی۔ دروپدی کو ارجن نے جیت لیا تو وہ پانچوں پانڈو بھائیوں کی پانچالی بن گئی، خواہ بعد میں اس کو جوئے میں داؤ پر لگا دیا۔ راجہ جنک کی بیٹی سیتا کو سوئمبر میں رام چندر جی جیت لائے اس سیتا کو راون اغوا کرکے لے گیا تو رام چندر جی اور ان کے بھائی لکشمن نے ان کی واپسی کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ یہاں تک کہ بانروں کی سینا اور سیناپتی ہنومان کے تعاون سے سونے کی لنکا کو پھونک کر راکھ کردیا اور جب تک سیتا کو جو اپنے گھر کی عزت تھی وہاں سے لے کر آئے خواہ اجودھیا لے جانے کے بعد حمل کی حالت میں ایک معمولی آدمی کے طعنہ دینے پر گھر سے نکال دیا۔

آج اس ملک کی صدر جمہوریہ جیسے سب سے بلند عہدے پر ایک عورت جلوہ افروز ہے۔ لوک سبھا کی صدر یا اسپیکر بھی ایک عورت کو بنا دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے راجیہ سبھا کی ڈپٹی چیئر پرسن بھی ایک عورت رہ چکی ہے۔ مرکز میں برسر اقتدار اتحاد کی چیئر پرسن آج بھی وہی سونیا گاندھی ایک عورت ہیں اس سے پہلے ملک کی آزادی کے بعد سے اب تک کی تاریخ کی سب سے زیادہ مدت تک وزیراعظم کے عہدے پر فائز رہنے کا اعزاز بھی ایک عورت (اندرا گاندھی) کو ہی حاصل ہے۔ ملک کی رقبہ اور آبادی ہر لحاظ سے سب سے بڑی ریاست کی وزیر اعلیٰ بھی ایک عورت ہے اس سے پہلے بھی کئی ریاستوں میں وزیر اعلیٰ اور گورنر عورتیں رہ چکی ہیں۔ عورتوں کی زندگی کے ہر شعبے میں ریزرویشن اور مردوں کے مساوی درجے دینے اور مرد و عورت کا فرق و امتیاز ختم کرکے اس کو مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کرنے کے خوب بڑھ چڑھ کر نعرے لگائے جاتے ہیں جن کو ووٹوں کی سیاست بھی کہا جاسکتا ہے۔ عورتوں کے استحصال کا طریقہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ عورتوں کی ناز برداری کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ ان کی منہ بھرائی سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف ایک عورت کو جس نے عورت کی اپنی فطرت اور روایت کے عین مطابق اس ملک میں اس سماج میں اس کے ایک گھر میں اس کے ایک فرد کی بیوی کی حیثیت سے آکر اپنے مائیکہ اپنے ماں باپ اور آباء واجداد کے گھر کو بھلا دیا اس کے باوجود اس کو غیر ملکی نژاد قرار دے کر جس طرح ذلیل ورسوا کیا گیا، یہ صرف سونیا گاندھی یا ایک عورت کی تذلیل نہیں پوری جنس نسواں کی توہین ورسوائی تھی جس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اگر واقعی عورت کامل العقل، آزاد و خود مختار سوچ کی حامل ہوتی تو اس توہین کے مقابلے میں اس کو سراپا احتجاج بن جانے چاہئے۔ یہ بیہودہ حرکت کرنے والوں کو دھرم اور سماج کا غدار قرار دینا چاہئے تھا۔

(ع ق)

بقیہ: اعلامیہ پر عمل کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے

آدمی کو مرکز بنا کر حکومت کی پالیسی کا اعلان کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں جھگی بستیوں میں رہنے والوں ملک، منتخب اداروں میں عورتوں کے لئے ریزرویشن، مالی نظم، عالمی کساد بازاری سے متاثرہ سیکٹروں پر توجہ دینے، سب کو کھانا دینے اور فرقہ وارانہ تشدد سے مقابلے کی بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے نوجوان مذہب، علاقہ، زبان، ذات ونسل کی ان تنگ دیواروں کو توڑ رہے ہیں جن میں وہ محصور تھے، قوم کو ان کی امیدوں کو پورا کرنا چاہئے۔ صدر جمہوریہ نے ہندوستانی معیشت، قومی دیہی روزگار، خفیہ اطلاعات کی تنظیم، انسداد دہشت مرکز کے قیام، قومی شناختی کارڈ، نکسلیوں کے خلاف کارروائی، بیمہ اور پنشن کے شعبوں میں اصلاحات، نظم و نسق، اصلاح، روزگار، تعلیم، صحت، دیہی اور شہری علاقوں میں بنیادی ڈھانچہ کی تصحیح وترقی جیسے ایشوز کے علاوہ اپنے خطاب کے دوران مرکزی حکومت کی آئندہ میقات کے لئے دس ترجیحات اور دس دن کے کاموں کی فہرست کا بھی اعلان کیا۔

خطاب میں پیش کردہ نکات کا اگر عمومی انداز میں جائزہ لیا جائے تو اس کے دس نکاتی ترجیحات کا انحصار حکومت کی سابقہ میقات کی پالیسیوں کی توسیع اور کانگریس کے انتخابی منشور پر ہی ہے۔ دہشت گردی کے خاتمے، داخلی تحفظ کے استحکام، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے قیام، معاشی ترقی میں اضافہ، کاشتکاری، تعمیر نو، بہتر خدمات جیسے امور پر خصوصی توجہ دینے کی بات یوپی اے حکومت کی گزشتہ میقات میں بھی کہی گئی تھی۔ صدر جمہوریہ کے سابقہ خطاب میں بھی یہ ساری باتیں شامل تھیں۔ اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ صدر جمہوریہ کا منصب ملک میں سب سے بلند ہے، اس کے باوجود کابینہ کے مشورے کو ہی آگے بڑھایا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکومت صدر جمہوریہ کے ذریعے پیش کردہ اپنی پالیسی، پروگرام اور ترجیحات پر عمل کے سلسلے میں کتنی کھری اترتی ہے اور ووٹ دہندگان کی توقعات کس حد تک پوری ہوتی ہیں اور کیا واقعی سب کو انصاف و عمل کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔ (ع ک)

ڈاکٹر کملا ثریا: کچھ یادیں، کچھ باتیں

اے یو آصف، نئی دہلی

اسلام کے تصور توحید، رسالت، آخرت اور مکمل ضابطہ حیات نیز عورت کے مقام کے تعلق سے تصور نے برادران وطن میں تعلیم یافتہ بالخصوص دانشوروں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔ اس ضمن میں حال کے دنوں میں ہندوستان میں سابق مدیر عربی ہفت روزہ الدعوۃ وار دو سہ روزہ دعوت نے مولانا سلمان ندویؒ، تمل دانشور وصحافی عبداللہ اڈیارؒ، مدیر ہندی ہفت روزہ کانتی ڈاکٹر محمد احمد، ماہر بدھسٹ وپالی اسٹڈیز پروفیسر سنگھاسین سنگھ اور ملیالی مصنفہ وشاعرہ کملا ثریاؒ قابل ذکر ہیں۔ آخرالذکر ڈاکٹر کملا ثریا کا گزشتہ ۳۱؍مئی ۲۰۰۹ء کو پونے میں اپنے چھوٹے بیٹے جیا سورے داس کی رہائش گاہ پر انتقال ہوا۔ ۲؍جون کی صبح ۹ بجے تروندرم میں پلائم کی جامع مسجد کے صحن میں انہیں ہزاروں افراد بشمول متعدد وزراء کی موجودگی میں پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کردیا گیا۔ اس موقع پر بیٹے کی طرح ان کے عزیز رکن جماعت اسلامی ہند اور کوچی کی ایک مسجد کے امام بشیر محی الدین مولوی نے روتے ہوئے فون پر راقم الحروف سے کہا: ''ان کے اپنے تینوں بیٹے معروف انگریزی صحافی ایم ڈی ناپت، چنن داس اور جیا سرے داس ہی نہیں بلکہ میں بھی آج یتیم ہوگیا''۔

ڈاکٹر کملا ثریا ان چند شخصیات میں سے تھیں جنھوں نے حق واضح ہوجانے کے بعد ذرا بھی دیر نہیں کی اور اپنی ضعیف العمری کا لحاظ کئے بغیر ۱۶؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو ۶۵ برس کی عمر میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ ۱۶؍فروری ۲۰۰۶ء کو جب راقم الحروف ''ہندوستان پر عربی زبان وکلچر کے اثرات'' کے عنوان پر انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز (آئی او ایس) کے ذریعے بنائی گئی ڈاکومنٹری فلم پر کام کرنے کے لئے کیرل کے دورے کے دوران کوچی میں ان کی رہائش گاہ پر پوری ٹیم بشمول یاور رحمٰن ملا پہنچا تو وہ بے حد خوش ہوئیں۔ ذیابطیس و دوسری بیماریوں کے سبب خود سے چلنے سے معذور کملا ثریا وہیل چیئر کے سہارے اپنے ڈرائنگ روم میں لائی گئیں۔ اس موقع پر انھوں نے رسول اکرمؐ کے ہی وقت میں مالابار میں اسلام کی آمد اور پھر کوڈنگلور میں اس زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے راجہ چیرامن پیرومل کی ایماء پر صحابیٔ رسولؐ حضرت مالک بن دینارؓ کے ذریعے تعمیر کی گئی چیرامن جامع مسجد کا ذکر کیا اور پھر عربی زبان وکلچر کے مالابار پر اثرات پر روشنی ڈالی۔ ۱۱ منٹ کی یہ ڈاکومنٹری آج ان کی بہترین یادگار ہے۔ اس میں دیگر دانشوروں کے ساتھ ان کی رائے خصوصی طور پر شامل ہے۔ اپنے قبول اسلام کے تعلق سے انھوں نے کہا کہ آغوش اسلام میں آنے کے بعد ہی انھوں نے صحیح معنوں میں خدا کو پہچانا اور اس کی خالق، مالک ورازق کی حیثیت سے واقف ہوئی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس سے قبل کرشن جی سے وہ ضرور واقف تھیں لیکن وہ فہم اس معنی میں نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام میں عبادت کا تصور بھی سب سے الگ ہے۔ پنجگانہ نماز کے ذریعے دن کا ۲۴ گھنٹہ بندھ جاتا ہے۔ میں تو اس کی پابندی کرکے بہت محظوظ ہوتی ہوں۔ روزانہ علی الصبح تین بجے اٹھنا، تہجد اور پھر فجر کی نماز سے فارغ ہوکر دوسری مصروفیات میں لگ جانا میرا معمول بن گیا ہے۔ اس طریقۂ عبادت نے مجھے ایسی قوت اور ایمان ویقین اور اعتماد میرے اندر پیدا کیا ہے جو پہلے کبھی میں نے محسوس نہیں کیا تھا''۔ ڈاکٹر کملا ثریا نے یہ بھی کہا کہ جیسے جیسے قبول اسلام کے ساتھ خدا کا تصور واضح ہوتا گیا میں خود کو اتنا ہی محفوظ وسلامت محسوس کرنے لگی۔ واضح رہے کہ کیرل کے ایک گاؤں پنا یورکولام میں ۳۱؍مارچ ۱۹۳۴ء کو سابق مدیر انتظامی ملیالم روزنامہ ''ماتر بھومی'' وی ایم نائر اور مشہور ملیالم شاعرہ بالامنی اماں کے گھر پیدا ہوئیں۔ بچپن میں والد کی ملازمت کے سبب کولکاتہ (مغربی بنگال) منتقل ہوگئی۔ بچپن ہی میں اپنی عمر سے ۱۵ سال بڑے مادھوا داس سے شادی ہوگئی۔ پھر یکے بعد دیگرے تین بچوں کی ماں بھی بن گئیں۔ دہلی میں بھی تین برس قیام رہا۔ بعد ازاں شوہر کے ساتھ کوچی واپسی ہوئی۔ یہاں سے ۱۹۸۴ء میں پارلیمانی انتخابات بھی لڑا اور ناکام رہیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد کوچی ہی میں رہیں۔ فروری ۲۰۰۷ء میں وہاں سے چھوٹے بیٹے کے یہاں پونے آگئیں اور وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جسد خاکی کو کیرل لایا گیا اور ہزاروں افراد کے آخری دیدار کے بعد تروندرم میں یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں رکھا گیا جہاں وزیر اعلیٰ وی ایس اچوتانندن خود انہیں خراج عقیدت پیش کرنے پہنچے۔ اس موقع پر وزیر کلچر ایم اے بے جی نے اعلان کیا کہ ان کی یاد میں ان کے آبائی گاؤں میں کیرل ساہتیہ اکادمی کو عطیہ دی گئی ان کی جائداد پر ایک مانومینٹ تعمیر کیا جائے گا۔

قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر کملا ثریا نے ۱۷ سال کی عمر سے اپنے بڑے بیٹے ایم ڈی ناپت کو گود میں لئے باورچی خانہ کی میز پر سبزی کاٹنے، برتن دھونے اور تمام کام کو نمٹانے کے بعد تصنیف وتالیف اور ٹائپ کرنا شروع کیا۔ ملیالم میں ان کی تحریریں مادھوکٹی اور انگریزی میں کملا داس کے نام سے آئیں۔ قبول اسلام کے بعد کملا ثریا کہلانا پسند کیا۔ ۴۲ برس کی عمر میں اپنی آپ بیتی 'مائی اسٹوری' لکھا۔ اس میں بچپن میں اپنے جنسی استحصال کے واقعات کا تفصیل سے ذکر کیا۔ متعدد مالاباری ان کے اس انکشاف سے بے چین ہواٹھے اور ان کی زبردست تنقید شروع ہوگئی لیکن وہیں دوسری طرف اسے علمی حلقے میں معیار کے اعتبار سے معرکۃ الآرا تصنیف قرار دیا گیا۔ اس کا دنیا کی ۱۵ زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ پھر جب انگریزی میں ان کی شاعری آنے لگی تو انگریزی دنیا بھی ان کی عاشق ہوگئی۔ ان سب کے سبب ۱۹۸۴ء میں ان کا نام نوبل پرائز کیلئے بھی پیش ہوا۔ دنیا کے علمی وادبی حلقے میں انکی قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ معروف امریکی آئیڈیالاگ نوم چومسکی جب بھی ہندوستان آئے وہ کوچی جاکر کملا ثریا سے ضرور ملے۔ مشہور کالم نویس کلدیپ نیر انہیں 'ہمت ور خاتون' کہتے ہیں۔ کملا ثریا Feminist تو کبھی نہیں رہیں لیکن وہ سماج میں بچیوں اور عورتوں کے استحصال سے بیحد پریشان رہیں جس کی تصویر کشی خود انھوں نے اپنے واقعات سے اپنی آپ بیتی میں کی ہے۔ اسلام کی جانب قدم بڑھانے میں بھی ایک عورت کی سلامتی وحفاظت انکے مدنظر تھا۔ اپنی آپ بیتی اور پھر تبدیلیٔ مذہب کے سبب یہ مالابار کے بعض غیر مسلم حلقوں میں ہمیشہ ناپسندیدہ بنی رہیں۔ بعض مسلم حلقوں میں بھی یہ کم متنازعہ فیہ رہیں۔ قبول اسلام کے بعد یہ جہاں حجاب کی سخت پابند ہوگئیں وہیں انھوں نے بیوہ رہنے کے باوجود چوڑیاں پہننا شروع کردیا۔ دونوں بازوؤں میں اٹھارہ اٹھارہ سونے کی چوڑیاں بعض مقامی عورتوں کو کھلتی تھیں۔ جب ان عورتوں نے اعتراض کیا تو ان کا جواب تھا: ''اللہ نے مجھے اپنی تصنیف وتالیف سے اس لائق بنایا ہے کہ میں سونے کی چوڑیاں پہنتی ہوں لیکن ساتھ ہی ساتھ زکوٰۃ وخیرات بھی ادا کرتی ہوں۔ غرباء ومساکین اور یتیموں کی مدد کرتی ہوں''۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ میرے یہ سب زیورات میری پوتیوں کیلئے میری طرف سے عطیات ہیں۔

حجاب کے تعلق سے انھوں نے راقم الحروف سے کہا: ''جب لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ میں ایک Libereted خاتون ہونے کے باوجود حجاب کی پابندی کیوں کرتی ہوں تو میرا یہی جواب ہوتا ہے کہ حجاب مجھے زیادہ لبرل ہونے کا احساس دلاتا ہے کیونکہ جب کوئی خاتون حجاب اختیار کرتی ہے تو وہ اپنے آپ کو محفوظ وسلامت محسوس کرتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ حجاب گرد، دھول، گرمی اور کیڑوں (Insects) سے بھی جسم کو محفوظ رکھتا ہے''۔

ڈاکٹر کملا ثریا نے ملیالم اور انگریزی دونوں میں افسانے، ناول اور اشعار کہے۔ ان کی مقبول انگریزی کتابوں میں 'دی سائرنس'، 'ولم این کولکاتہ'، 'دی ڈیسنڈینٹس'، 'الفابیٹس آف لسٹ' اور 'یا اللہ' (نظمیں) قابل ذکر ہیں۔ ملیالم کے علاوہ انھوں نے عربی میں بھی ۲۰۰۲ء میں عبادت پر ایک کتاب لکھی جو کہ اسی سال قطر میں دس ہزار افراد کے ایک بڑے مجمع میں ریلیز ہوئی۔ یہ ماضی کے معروف انگریزی ہفتہ وار ''السٹر یٹیڈ ویکلی آف انڈیا'' کی منظوم سیکشن اور 'پوایٹ' (Poet) نامی ادبی رسالے کی مدیر تھیں۔ یہ اردو اور بنگلہ زبان سے بھی واقف تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے اردو اسلئے سیکھی کہ یہ میری شاعری کیلئے ضروری ہے''۔

ڈاکٹر کملا ثریا کو بہت سے انعام واکرم سے نوازا گیا۔ انہیں ایشیائی انگریزی تحریروں کیلئے کینٹ ایوارڈ، ادب کیلئے ویالار ایوارڈ اور ملیالم زبان و ادب میں خدمات کے اعتراف میں حکومت کیرل کا ایزھوتھا چن ایوارڈ ملا۔ کناڈا کی ایک فلم کمپنی نے ان پر فلم بنائی۔ اس فلم کا موضوع ''کملا ثریا: مصنفہ، شاعرہ اور ان کے اسلام سے تجربات'' تھا۔ انہیں مصوری سے بھی شوق تھا۔ انھوں نے لوک سیوا نام کا ایک چیریٹی ٹرسٹ بھی بنایا تھا۔ ملٹی پل ڈیس آرڈرس (Multiple Disorders) والے بچوں کیلئے مخصوص رکشا اسکول کی یہ سرپرست بھی تھیں۔ ۲۰۰۲ء میں انھوں نے موجودہ سیاسی پارٹیوں سے بدظن ہوکر لوک سیوا پارٹی بھی بنائی لیکن ان کی گرتی ہوئی صحت کے سبب یہ تجربہ آگے نہ بڑھ سکا۔ ڈاکٹر کملا ثریا تو اب ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن علمی، ادبی، شاعری، سماجی اور اسلامی مذہبی حلقوں میں وہ ہمیشہ یاد کی جائیں گی۔ ●●

ملک کے امن پسند عوام نے فسطائی و فرقہ پرست طاقتوں کو مسترد کردیا

بابری مسجد انہدام کی تحقیقات جلد از جلد پوری کی جائے، دہشت گردی کے تمام بڑے اور اہم واقعات کی عدالتی جانچ کرائی جائے

جماعت اسلامی ہند کی مجلس نمائندگان کا مطالبہ

مرکز جماعت:— جماعت اسلامی ہند کی مجلس نمائندگان کا وسط مدتی اجتماع ۲۸؍تا ۳۱؍مئی ۲۰۰۹ء بنگلور میں منعقد ہوا جس میں جماعتی امور کے علاوہ اہم ملکی اور بین الاقوامی امور پر غور ہوا، اجلاس کے اختتام پر درج ذیل قراردادیں بھی منظور ہوئیں:

قرارداد۔ ۱

جماعت اسلامی ہند کی مجلس نمائندگان کا یہ اجلاس حالیہ پارلیمانی انتخابات اور بعض ریاستوں کے ریاستی انتخابات کے بحیثیت مجموعی پرامن انعقاد اور ان کے نتائج پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ ملک کے امن پسند عوام نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اس ملک میں فسطائی اور فرقہ پرست قوتوں اور نفرت وبغض وعناد پر مبنی پروپگنڈے نیز انسانیت دشمن نعروں کو عوام کی اکثریت کی تائید حاصل نہیں ہے۔ مجلس نمائندگان کا یہ احساس ہے کہ اس انتخاب کو کسی قومی یا علاقائی پارٹی سے متعلق کوئی ریفرنڈم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ عوام نے ہر ریاست میں برسر اقتدار حکومت کی کارکردگی اور اس کے مجموعی طرز عمل کو سامنے رکھ کر اپنے ووٹوں کا استعمال کیا ہے۔ جن ریاستوں میں ریاستی حکومتوں نے عوام کے مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور عملاً بھی اس جانب پیش قدمی کی، عوام نے ان کے نمائندوں کی تائید کی اور جن ریاستوں میں ریاستی سرکار کی پالیسیاں عوام مخالف اور ان کا طرز عمل عوام کے جائز مفادات کے تحفظ اور ان کی بنیادی ضروریات کے تعلق سے عدم دلچسپی اور بے توجہی پر مبنی تھا عوام نے انہیں رد کردیا۔ مجلس نمائندگان کا احساس ہے کہ ہندوستانی عوام عموماً ملک میں امن وامان اور آپسی بھائی چارے کے خوگر ہیں۔ لہٰذا انھوں نے شعوری طور پر ان پارٹیوں کو مسترد کردیا جو ہنگامہ آرائی، فساد وبدامنی، فرقہ وارانہ تشدد اور نفرت آمیز پروپگنڈے پر یقین رکھتی ہیں اور اس پر عمل پیرا بھی ہیں۔ ان پارٹیوں کی شکست اس بات کی غماز ہے کہ ملک کے عوام مختلف گروہوں اور طبقات کے درمیان نفرت پیدا کرنے اور ان کو آپس میں لڑانے کی فرقہ وارانہ سیاست کے مخالف ہیں۔ مجلس نمائندگان سمجھتی ہے کہ مغربی بنگال، یوپی اور کیرالہ میں برسر اقتدار پارٹیوں پر عوام کے عدم اعتماد کی وجہ ان ریاستوں میں ان پارٹیوں کی عوامی مسائل بالخصوص محروم ومظلوم طبقات نیز اقلیتوں کے مسائل حل کرنے میں عدم دلچسپی اور عوامی بہبود کے کاموں سے اجتناب برتنا ہے۔ مجلس نمائندگان کا یہ بھی احساس ہے کہ بایاں محاذ حکومت نے اپنے بعض اقدامات سے مسلمانوں کے دینی تشخص اور مذہبی آزادی کو متاثر کیا ہے۔ بعض غیر فرقہ پرست پارٹیوں کی آپسی سرپھٹول بھی ووٹوں کے انتشار کا سبب بنی۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ پارٹیاں آپسی مفاہمت اور سیٹوں کی منصفانہ تقسیم کے ساتھ انتخابی میدان میں آئیں تو اس سے اس بات کا قوی امکان تھا کہ فسطائی طاقت مزید گھٹ جاتی۔ مجلس نمائندگان اس پہلو پر بھی زور دینا ضروری سمجھتی ہے کہ حالیہ انتخابات میں مسلمانانِ ہند نے عموماً سوجھ بوجھ، سیاسی بالغ نظری اور ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ووٹ کا استعمال کیا ہے۔ اس کا اعتراف ملک کے دانشوروں، سیاسی تجزیہ نگاروں اور بعض اہم سیاسی رہنماؤں نے بھی کیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے ووٹوں کا استعمال کرتے وقت جذباتی مسائل کے بجائے ملک کے مفاد اور عام انسانی مفاد کو پیش نظر رکھا ہے۔

مجلس نمائندگان کو اس بات پر تشویش ہے کہ ایک بڑی جمہوریت کی انتخابی مہم میں ہر جگہ اخلاقی معیارات کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ انتخابی مہم کے دوران سیاسی پارٹیوں نے عوام کے حقیقی مسائل کو موضوع بحث بنانے کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، شخصیات پر اوچھے حملے کرنے اور میڈیا میں سنسنی پیدا کرنے پر زیادہ توجہ دی۔ دونوں بڑی پارٹیوں اور دیگر سیاسی جماعتوں نے برائے نام ہی اپنی پالیسی اور پروگرام اور منشور کو موضوع بحث بنایا۔ سماج کے کمزور، پسماندہ، محروم اور مظلوم طبقات کی فلاح وبہبود، کسانوں، مزدوروں، خواتین، اقلیتوں اور عام آدمی کو درپیش مسائل ومشکلات اس انتخابی مہم سے بڑی حد تک غائب تھے۔ اس انتخاب کا ایک اور تشویشناک پہلو دھن و دولت کا بے تحاشا استعمال ہے۔ ایسا ملک جہاں عوام کی اکثریت غربت اور فاقہ کشی کا شکار ہو اس کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کے سیاسی رہنما انتخابات پر اس بے دردی کے ساتھ خرچ کریں۔ مجلس نمائندگان ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کو توجہ دلاتی ہے کہ وہ ملک اور اہل ملک کے وسیع تر مفاد میں اس نامناسب روش کو تبدیل کریں اور ایک صاف ستھرا معیاری طرز عمل اختیار کریں۔

قرارداد۔ ۲

جماعت اسلامی ہند کی مجلس نمائندگان کا یہ اجلاس منموہن سنگھ حکومت سے یہ توقع رکھتا ہے کہ پندرہویں لوک سبھا کے انتخابات میں کانگریس پارٹی اور یوپی اے محاذ پر ملک کے عوام نے جس اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے اس کے نتیجے میں وہ عوام کے حقیقی مسائل کو حل کرنے میں جرأتمندی اور خود اعتمادی کا مظاہرہ کرے گی اور اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافی ہورہی ہے اس کو دور کرے گی۔ پارلیمانی انتخابات میں عوام کے ساتھ مسلمانانِ ہند نے بھی کانگریس پارٹی اور حکومت پر جو اعتماد کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ حکومت ان کے تمام جائز مطالبوں کو پورا کرے۔ سچر کمیٹی کا قیام اور اس کی اشاعت یو پی اے حکومت کا ایک قابل تحسین اقدام تھا۔ حکومت کے اس اعتراف کے بعد کہ مسلمان تعلیمی، سماجی اور معاشی میدانوں میں دوسروں سے کافی پیچھے رہ گئے ہیں، اس کی ذمے داری تھی کہ وہ ان کی پسماندگی دور کرنے کے لئے منظم اور مؤثر اقدامات کرتی، دیگر محروم طبقات کے طرز پر مسلمانوں کے لئے بھی مرکزی بجٹ میں سب پلان منظور کرتی۔ سچر کمیٹی کی سفارشات کے تحت اس نے جو بعض اقدامات کئے بھی ہیں ان کی بھی مناسب مانیٹرنگ نہ ہونے کے سبب اس کے ثمرات مسلمانوں تک نہیں پہنچ پائے۔ مجلس نمائندگان حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ سچر کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد اور پندرہ نکاتی پروگرام کے نفاذ کو مانیٹر کرنے کے لئے ایک جوائنٹ پارلیمانی کمیٹی قائم کرے۔ نیز اقلیتی اضلاع سے متعلق اسکیم کا فوکس بھی اقلیتوں پر ہی مرکوز ہو۔ گزشتہ حکومت کا ایک اہم قدم مذہبی اقلیتوں کے ریزرویشن سے متعلق رنگناتھ مشرا کمیشن کا قیام ہے۔ تاہم افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس کی رپورٹ آج تک پارلیمنٹ میں پیش نہیں کی جاسکی۔ مجلس نمائندگان حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس رپورٹ کو جلد از جلد پارلیمنٹ میں پیش کرے اور اس کی سفارشات کو عملی جامہ پہنائے۔

مجلس نمائندگان مرکزی حکومت کو یہ یاد دلانا چاہتی ہے کہ پندرہ سال گزر جانے کے بعد بھی بابری مسجد انہدام سے متعلق قائم کردہ لبراہن کمیشن آج تک اپنی رپورٹ پیش نہیں کرسکا جبکہ اس کی مدت میں ۴۸ بار توسیع ہوچکی ہے۔ مجلس نمائندگان مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت لبراہن کمیشن کو پابند کرے کہ وہ اپنی رپورٹ جلد از جلد پیش کرے تاکہ بابری مسجد انہدام کے مجرمین کو قرار واقعی سزا مل سکے۔ مجلس نمائندگان کو اس امر پر تعجب ہے کہ حکومت کے لئے جو سو دنوں کا ایجنڈا ترتیب دیا جارہا ہے ان میں سلامتی کے امور اور دہشت گردی کے خلاف اقدامات کو اولین ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے نمبر پر عالمی مندی کے اثرات سے ملکی معیشت کو بچانے سے متعلق اقدامات ہیں اور سب سے آخر میں سماجی زمرہ کا نمبر آتا ہے۔ مجلس نمائندگان کو مذکورہ بالا مسائل کی اہمیت سے انکار نہیں ہے تاہم اس کا یہ احساس ہے کہ حکومت کو جو مینڈیٹ ملا ہے اس میں عام آدمی کی امنگوں، آرزوؤں اور ان تمناؤں کا دخل ہے جس کے تحت وہ اپنے مستقبل کو تابناک اور روشن دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا حکومت کی ترجیحات میں عام آدمی کے بنیادی مسائل کو اولین ترجیح حاصل ہونی چاہئے۔ ان میں بطور خاص ملک کے غریب عوام، مزدور، کسان، خواتین، اقلیتیں اور دلت و پسماندہ طبقات شامل ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ دیہی روزگار یوجنا (NREGA) کے دائرے کو وسیع کرتے ہوئے اس کی مدت اور رقم میں اضافہ کرے۔ کسانوں کے قرضوں کے تعلق سے ایک پائدار اور طویل المیعاد پالیسی بنائے جس کے تحت انہیں بلاسودی قرضے فراہم کئے جائیں۔ مجلس نمائندگان کا احساس ہے کہ رائٹ ٹو انفارمیشن ایکٹ (RTI) گزشتہ حکومت کا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے اور زیادہ مؤثر اور قابل عمل بنایا جائے۔ گزشتہ کئی برسوں سے پولیس ریفارم پر غور وفکر جاری ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کے قائم کردہ کئی کمیشنوں کی رپورٹوں میں واضح سفارشات کی گئی ہیں۔ مجلس کا احساس ہے کہ پولیس کی جانب سے معصوم وبے گناہ افراد کے ٹارچر، دورانِ حراست اموات اور فرضی انکاؤنٹرس کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ پولیس ریفارم کے مسئلے کو اولیت دی جائے اور پولیس فورس کو زیادہ ذمے دار و جوابدہ بنایا جائے۔ ایک اہم مسئلہ ترقیاتی منصوبوں بالخصوص SEZ اور بڑے ڈیموں کی تعمیر کے نتیجے میں بے گھر اور بیروزگار ہونے والے لاکھوں افراد کی بازآبادکاری اور مناسب معاوضہ کا ہے۔ اس سلسلے میں حقوق انسانی کی تنظیموں نے متعدد بار حکومت کو متوجہ کیا ہے۔ خود سپریم کورٹ کے فیصلے بھی اس سلسلے میں آچکے ہیں تاہم مسئلہ اپنی جگہ باقی ہے۔ لازمی تعلیم سے متعلق قانون حکومت کے پیش نظر ہے تاہم تعلیم کو عام کرنے سے متعلق اقدامات ابھی تشنہ طلب ہیں۔ سستی اور معیاری تعلیم کا حصول آج بھی ایک مسئلہ ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ ہر بستی اور محلے میں تین سو گھروں پر ایک اسکول کے قیام کی تجویز کو عملی جامہ پہنائے۔ مجلس نمائندگان حکومت کو یہ یاد دلانا چاہتی ہے کہ سابقہ حکومت نے ملک کی خارجہ پالیسی کے سلسلے میں جو یوٹرن لیا تھا اس کو عوام کے بڑے حصے نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ یوپی اے کی حکومت میں واپسی کو سابقہ خارجہ پالیسی کی توثیق سمجھنا غلط ہوگا۔ مظلوم فلسطینیوں کی حمایت سے دستبرداری، دہشت گرد اسرائیلی ریاست کے ساتھ معاشی، فوجی اور اسٹریٹجک تعلقات استوار کرنے کی پالیسی نیز امریکہ کے ساتھ اسٹریٹجک ریلیشنز پر ازسرنو غور کرکے اس میں بنیادی تبدیلی کی جائے۔ ہندوستان کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ تیسری دنیا کے ممالک کے مفادات کی حمایت اور استعماری ممالک کی ظالمانہ پالیسیوں کی مذمت کرکے نہ صرف انصاف کی اعلیٰ روایت قائم کرسکتا ہے بلکہ ان کا رہنما بھی بن سکتا ہے۔ جو حیثیت اسے ماضی میں ناوابستہ تحریک میں حاصل تھی۔

مجلس نمائندگان مطالبہ کرتی ہے کہ دہشت گردی کے تمام بڑے اور اہم واقعات کی اعلیٰ سطحی عدالتی جانچ کرائی جائے۔ اسی کے ساتھ مجلس نمائندگان حکومت سے یہ مطالبہ بھی کرتی ہے کہ جتنے معصوم اور بے گناہ مسلم نوجوانوں کو بے بنیاد الزامات کے تحت گرفتار کیا گیا ہے ان کو فی الفور رہا کیا جائے اور ان پر قائم بیجا مقدمات واپس لئے جائیں۔ آخر میں مجلس نمائندگان توقع کرتی ہے کہ مرکزی سرکار ملک اور عوام کے تئیں اپنی ذمے داریوں اور فرائض کی انجام دہی کی طرف پوری طرح متوجہ رہے گی۔ ●●

دعائے صحت

بیگوسرائے۔ میری بچی آفریں ان دنوں سخت علیل ہے اور اسپتال میں زیر علاج ہے۔ وہ گزشتہ یکم جون کو ایک حادثہ کا شکار ہوکر شدید طور پر زخمی ہوگئی تھی۔ اس کی جلد اور مکمل طور پر صحتیابی کیلئے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

(پروفیسر) ظفر حبیب

دعائے مغفرت

بیگوسرائے۔ لکھمنیاں سے بیگوسرائے کے راستے میں سڑک حادثہ میں صدر شعبۂ اردو متھلا یونیورسٹی دربھنگہ پروفیسر ظفر حبیب کی بڑی صاحبزادی محترمہ کہکشاں کا یکم جون کو انتقال ہوگیا۔ مرحومہ کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نظور یز حمیدی، لکھمنیاں

اقلیتی ووٹوں پر حکومت کی تشکیل روکنے کا واحد طریقہ

عارف عزیز، (بھوپال)

ہندوستان میں سیاسی، سماجی، معاشی، پیشہ ورانہ ثقافتی، ادبی، فنی اور نوجوانوں کی جماعتوں اور تنظیموں کی اتنی بہتات ہے کہ کبھی کبھی ان کے دائرۂ کار اور اغراض ومقاصد تک کو سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے۔ بالخصوص سیاسی میدان میں جماعتوں کی کثرت ملک کی جمہوری روایات اوران کی آبیاری کے لئے رحمت کے بجائے زحمت بن جاتی ہے۔ جبکہ امریکہ، برطانیہ اور فرانس جیسے متعدد ترقی یافتہ ممالک میں جمہوری اصول وآداب کا فروغ اسی لئے ممکن ہوسکا ہے کہ وہاں دوتین جماعتوں سے زیادہ سیاسی پارٹیاں سرگرم عمل نہیں لیکن ہندوستان میں سیاسی جماعتوں کی زیادتی کی بنا پر کئی دہائیوں سے اقلیتی ووٹوں پر حکومتیں تشکیل پا رہی ہیں کیونکہ اکثر انتخابی دوڑ میں سبقت لے جانے والی جماعتیں یا امیدواروں کو ملنے والے ووٹوں سے کہیں زیادہ ووٹ اپوزیشن کی مختلف جماعتوں میں تقسیم ہوکر ضائع ہوجاتے ہیں اور حکمراں جماعت پڑنے والے مجموعی ووٹوں کا ۳۵ سے ۴۵ فیصد کے درمیان حصہ حاصل کرکے بھی سرخرو رہتی ہے۔

غالباً اسی پہلو سے متاثر ہوکر قانون ساز اداروں میں تناسب کی بنیاد پر نمائندگی کی ضرورت پر زور دیا جاتا رہا ہے جو متعدد ترقی یافتہ ممالک میں رائج ہے اور جس کے حاصل شدہ ووٹوں پر نمائندگی کا طریقہ اپنا کر ان رائے دہندگان کی طمانیت قلب کا سامان بھی ہوسکتا ہے جو انتخابات سے محض اس لئے کتراتے ہیں کہ اکثریتی ووٹوں کے آگے ان کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اوران کے نقطۂ نظر سے خودان کا ووٹ بیکار ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ متناسب نمائندگی کا طریقہ ایسے رائے دہندگان کے لئے ان کی رائے دہی کی ترغیب کا مؤثر سبب ثابت ہوگا کیونکہ اس طرح انہیں یقین ہوجائے گا کہ ان کی ترجمانی کرنے والی جماعت بھی قانون ساز اداروں میں موجودگی یا ان کی آواز ایوان حکومت تک پہنچ سکے گی۔

اس پس منظر میں متناسب نمائندگی کے طریقہ کار کو اپنانا جہاں ملک کے قومی مفاد میں ہے وہیں حزب اختلاف کا اتحاد کسی قومی ضرورت سے کم نہیں، تجربات شاہد ہیں کہ جمہوری مشنری انہیں ممالک میں کامیاب رہتی ہیں جہاں حکمراں جماعت کے مقابلے میں اپوزیشن طاقتور ہو کیونکہ جمہوریت کا مقصد صرف انتخابات کرانا ہی نہیں ہے بلکہ انتخابات کو جمہوریت میں چند اعلیٰ مقاصد کے ذریعہ کی حیثیت حاصل ہے جو عوامی مفادات کی نگراں ایک عوامی حکومت کی تشکیل سے ہی پورا ہوسکتا ہے۔

کسی بھی ملک میں جمہوریت کی کامیابی کا انحصار دو اہم باتوں پر ہوتا ہے ایک تو وہاں کوئی ایسی مضبوط سیاسی جماعت ہو جو بہتر طور پر حکمرانی کا کام انجام دے سکے کیونکہ غیر مستحکم حکومت خواہ وہ ریاستی سطح پر ہو یا مرکزی پیمانے پر اس لئے نقصان دہ ہے کہ اس سے ملک میں غیر یقینی کی حالت پیدا ہوتی ہے اور جمہوری اقدار پر سے عوام کا اعتماد ختم ہونے لگتا ہے۔ خاص طور پر ہندوستان جیسے وسیع وعریض اور مختلف تہذیبوں کے نمائندہ ملک میں مستحکم مرکزی حکومت کی اشد ضرورت ہے کیونکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہاں جب بھی مرکز کمزور ہوا ملک کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا عمل شروع ہوگیا۔ دوسری ضرورت ایسی مضبوط اپوزیشن ہے جو رائے عامہ کی عکاس ہو اور کسی ہنگامی صورتحال میں خود اقتدار حاصل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو، آزادی کے بعد کے ساٹھ برس میں مرکزی حکومت کو استحکام تو ملا لیکن طاقتور اپوزیشن ابھر نہیں سکی جس کا سارا الزام حکمراں جماعت پر عائد کردینا ایک سہل سی بات ہوگی مگر حقیقت نہیں کیونکہ حزب اختلاف کے اکثر رہنماؤں کے غور وفکر کا دائرہ صرف اقتدار تک محدود رہا ہے وہ اکثر ملک کے وسیع تر مفاد کے بجائے نجی مصالح یا گروہی حکمت عملی کو زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں۔ گزشتہ بارہ چودہ برسوں کے دوران علاقائی جماعتوں کے ابھار سے نہ صرف مرکز کمزور ہوا ہے بلکہ قومی جماعتوں میں بھی اضمحلال کی حالت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ اگر متناسب نمائندگی کا طریقہ اپنا کر الیکشن کرائے جاتے ہیں تو مذکورہ صورتحال میں اصلاح کی کافی امید ہے اوراس طرح جہاں ملک کے ہر شہری کی رائے کو اہمیت ملے گی وہیں مختلف علاقوں، گروہوں، فرقوں اور زبانوں کو بھی قانون ساز اداروں کے وسیلے سے خاطر خواہ نمائندگی مل سکے گی اور ہمارے ملک کی بنیادی امتیاز کثرت میں وحدت کو مزید استحکام حاصل ہوگا۔ ●●

کیا امریکی فوجیں فلسطین میں وارد ہوسکتی ہیں؟

روف عامر

مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی حالیہ رپورٹ کے مطابق تل ابیب کے وزیر داخلہ ایلی یچائی نے تجویز دی ہے کہ غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے کو امریکی فوج کے حوالے کردیا جائے جو وہاں حماس کے دہشت گردوں کو ختم کرے، اسرائیلی وزیر داخلہ کا تعلق اسرائیل کی متشدد وانتہا پسند جماعت شاس سے ہے جس کے دامن پر سینکڑوں معصوم فلسطینیوں کا خون اپنے خراج کے لئے ہر وقت مچلتا رہتا ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عالم اسلام کو دور حاضر میں سب سے بڑا خطرہ خون آشام صیہونی مملکت اسرائیل سے ہے جسے استعماری طاقتوں نے مشرق وسطیٰ میں ایک زہریلے بیج کی شکل میں کاشت کیا تھا جواب زہریلا تناور درخت بن چکا ہے۔ اسرائیل کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے کہ وہ انسانی وجود اور شرف انسانیت کے لئے خطرات پیدا کرتا رہے۔ اسرائیل اپنے گھناؤنے عزائم کی تکمیل کے لئے عالمی وسائل اور عالمی برادری کا بڑی چابکدستی سے استعمال کرتا ہے۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا قبضہ ہے مگر اس کے باوجود یہودی دانشور ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ کے مالیاتی بریک ڈاؤن کے پس چلمن اسباب کے ڈانڈے یہودیوں سے ملتے ہیں۔

اسرائیل ویسے تو پوری دنیا کو اپنا مطیع بنانے کے لئے ہر ملک کے خلاف مکاری کرنے کا شوق رکھتا ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ اس کی تمام عیاریوں مکاریوں اور تخریب کاریوں کا نشانہ صرف عالم اسلام اور فلسطینیوں کو بنایا جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب اسرائیل سے پوچھ گچھ یا ان کی کسی وحشیانہ کارروائی پر حرف زنی کرنے والا کوئی نہ تھا کیونکہ ہر دور میں عالمی طاقتوں نے ہمیشہ یہودیوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں اہم کردار ادا کیا مگر بعد میں عالم اسلام میں گھٹن وبے چینی پیدا ہوئی اور حماس کی صورت میں ایک حریت پسند جماعت منظر عام پر آئی جسے ابتداء میں معمولی سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا مگر دوسری جانب حماس کے سرفروشوں کا لشکر وسیع ہوتا گیا۔

حماس نے صیہونیوں کے مکروہ حربوں کی راہ میں ہمیشہ جان کی قربانیاں دے کر باکمال مزاحمت کی۔ امریکہ اور اسرائیل کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے کہ حماس کی موجودگی میں گریٹر اسرائیل کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ شاید اسی تناظر میں اسرائیلی انتظامیہ عالم عرب کے سامنے جھکنے پر آمادہ خاطر بنی ہے جس کا اندازہ اس مثال سے لگایا جاسکتا ہے۔

اسرائیل کے وزیر دفاع ایلی یچائی نے جگالی کی ہے کہ غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے کو امریکی افواج کے سپرد کردیا جائے تاکہ امریکی فوج حماس کے گوریلوں اور جہادی گروپوں کا صفایا کردے۔ امریکی افواج کی آمد پانچ سال کے لئے ہو۔ اس عرصہ میں اعتدال پسند فلسطینی قیادت کو تلاش کیا جائے۔ الفتح کے روشن خیالوں کو جمع کرکے سیکیورٹی فورس تشکیل دی جائے۔

دہشت گردی کے خاتمے کی از سر نو منصوبہ بندی کی جائے۔ یہودی وزیر داخلہ کے اس فلسفے کی رو سے جب امریکی فوج کو یہ ضمانت مل جائے کہ یہودیوں کے خلاف نفرت ختم ہوچکی ہے تب غزہ اور مغربی کنارے کو باہم یکسو کر کے مشترکہ حکومت تشکیل دی جائے جس کا انتظام وانصرام اعتدال پسند فلسطینی شہریوں کے ہاتھوں میں ہو۔ ایلی یچائی کے تخلیق کردہ نئے ڈرامے میں فلسطینی ریاست کا لفظ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ دوسری طرف ہیومن رائٹس واچ نے امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کو خط لکھا ہے کہ وہ غزہ میں اسرائیلی مظالم کے نتیجے میں پامال ہونے والے حقوق انسانی پر اسرائیل کی مذمت کریں۔ ہیومن رائٹس واچ نے نشان دہی کی ہے کہ اسرائیلی فوج نے غزہ کا محاصرہ کررکھا ہے جس کی وجہ سے ایک طرف فلسطینی باشندے خوراک ادویات اور بنیادی انسانی ضروریات سے محروم ہیں تو دوسری طرف وہاں تعمیر نو کے کاموں میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ اسرائیلی وزیر داخلہ کا مجوزہ بیان اور مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ سے یہ سچائی الم نشرح ہوتی ہے کہ اسرائیل اپنی تمام تر وحشت وظلمت کے باوجود شکست کھا چکا ہے اور وہ اپنی بقا کے لئے امریکیوں کو براہ راست مداخلت کی اپیل کررہے ہیں۔ تل ابیب کے ستم گر اب امریکی انتظامیہ سے در پردہ سپورٹ کی بجائے براہ راست امداد واستعانت کے متمنی بنے ہوئے ہیں۔ یوں دنیا بھر میں اسرائیلی مفادات کے لئے سرگرم رہنے والی صیہونی لابیاں فلسطین میں امریکی فوجی مداخلت کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوششوں میں سرگرداں ہیں۔ اس وقت قابل غور یہ نکتہ ہے کہ کیا اب امریکی فوجیں اسرائیل کے کہنے پر فلسطین میں وارد ہونے کا رسک لیں گی؟ کیا اوبامہ انتظامیہ عراق افغانستان اور پاکستان کے قبائلی علاقوں میں مار کھانے کے باوجود غزہ کی پٹی میں اپنی فوجوں کو اُتار سکتی ہے۔ عالمی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ امریکہ ایسا رسک نہیں لے گا تاہم امریکہ کے ہر سرکاری وغیر سرکاری اداروں پر قابض یہودی لابیاں امریکہ کو ایسا کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔ ایسے نازک وقت میں عالم عرب اور پوری مسلم برادری کو اسرائیل کے مذکورہ منصوبے پر غور وفکر کرنا چاہئے اور انہیں فلسطین میں امریکی فوجوں کی متوقع آمد کے تدارک کے لئے ہنگامی اقدامات کے لئے اپنا کردار ادا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ●●

ترکی کی سیاست میں نجم الدین اربکان کی واپسی

تحریر: خدیجۃ الرحمی/ ترجمہ: مسعودالرحمن خان ندوی

نجم الدین اربکان کے سیاست میں حصہ لینے کی ممانعت کو چند دن پہلے ایک ترکی کورٹ نے اٹھادیا، اس لئے گیارہ برس بعد وہ سیاست میں واپس آگئے، ان پر یہ پابندی کئی بار لگ چکی ہے، آخری بار ۲۰۰۰ء میں الفضیلۃ پارٹی کے تحلیل کئے جانے کے بعد اربکان کو تاحیات سیاست میں حصہ لینے کے حق سے محروم کردیا گیا تھا، اس سے پہلے ۱۹۹۷ء میں الرفاہ پارٹی کے تحلیل کئے جانے کے وقت ان پر پانچ برس کی پابندی لگی تھی، اس کے علاوہ پارٹی کے فنڈ کے انتظام سے متعلق الزام میں ان کو تین برس قید کی سزا بھی دی گئی تھی، لیکن العدالۃ والتنمیۃ پارٹی کی حکومت نے ان کی خراب صحت کو دیکھتے ہوئے اس سزا کو گھر میں نظر بندی سے بدل دیا تھا، پھر چند ماہ قبل ترکی کے صدر عبداللہ گل نے ان کے حق میں معافی کا فرمان جاری کیا۔

اس معافی کے بعد اب تک یہ واضح نہیں ہے کہ وہ السعادۃ پارٹی کی صدارت پر واپس آسکیں گے یا نہیں جس پر فی الوقت نعمان کورتلموش متعین ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو اعزازی طور پر پارٹی مجلس شوریٰ کی صدارت سنبھالنی چاہئے، مگر انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں کہا: ”میرے نزدیک پارٹی کی صدارت اوراس کی عام ممبر شپ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ میں سیاست نام کی کسی چیز کو نہیں مانتا، میں تو جو کچھ قوم و وطن کی خدمت کرتا ہوں وہ عبادت کی نیت سے کرتا ہوں“۔

نعمان کورتلموش کی صدارت بنیادی طور پر پارٹی کے نوجوان حلقہ کو خوش کرنے کے لئے تھی جو پارٹی کی قیادت و سیادت میں تبدیلی کا خواہاں تھا، اب تلموش کو اربکان کے لئے صدارت سے ہٹانا اس حلقہ کو ناگوار ہوگا جس کا اثر پارٹی کی مقبولیت پر پڑے گا، اس لئے کہ تجزیہ نگاروں کے نزدیک آخری میونسپل الیکشن میں پارٹی کی پیش رفت نئی نوجوان صدارت و قیادت کی وجہ سے ہوئی۔ دوسری طرف بعض ترکی جرائد کا خیال ہے کہ اربکان پارٹی صدارت پر واپس آسکتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اس بارے میں ایک پریس کانفرنس میں خود کہا تھا: ”جب میرے سیاسی عمل پر پابندی ہٹ گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے تمام سیاسی حقوق مجھے مل گئے“۔ بعض لوگوں نے تلموش کی اربکان کی کانفرنس میں عدم شرکت سے تنظیمی اشکال پیش آنے کے احتمال کا اندازہ لگایا، خاص طور پر اس لئے بھی کہ اس کی کوئی صفائی یا توجیہ پارٹی کی طرف سے پیش نہیں کی گئی، ان لوگوں کے نزدیک یہ تو بہرحال طے ہے کہ تلموش میں اربکان اور طیب اردوغان جیسی کرشماتی خاصیت نہیں ہے۔

ادھر اربکان کے آخری بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی سابق پالیسیوں پر قائم ہیں، انہوں نے ممانعت اٹھنے کے بعد پہلا کام ایران کا دورہ کیا اور اعلان کیا کہ اگر وہ وزیر اعظم بنے تو ایران کے ساتھ اتحاد قائم کریں گے جو بعد میں دیگر اسلامی ممالک کو بھی شامل ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آٹھ اسلامی ممالک کے مجموعہ کے احیاء کی کسی وکسی طرح تشکیل کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے اپنی وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں بنایا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ ترکی کی ”سرمایہ داری اور مغربی اپریل ازم“ کی تابعیت سے نجات کے لئے اپنے خیالات ومنصوبے پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ وہی سابق پالیسیاں ہیں جن کے خلاف فوج نے انقلاب برپا کرکے ان کو وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ پر مجبور کیا تھا۔

ترکی اہل قلم مصطفیٰ اوزجان کا خیال ہے کہ اربکان کی واپسی السعادۃ پارٹی پر منفی اثر ڈالے گی، سابق عام انتخابات میں العدالۃ والتنمیہ پارٹی کے خلاف وہ زیادہ سخت لہجہ میں بولتے تھے، مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، جب کہ تلموش کی صدارت میں میونسپل انتخابات میں پارٹی کو زیادہ ووٹ ملے، اب اربکان کے سامنے آنے سے پارٹی کی انتخابی بنیاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اور پارٹی کی اداروں پر قائم ہونے والی حیثیت بدل سکتی ہے۔ ترکی تجزیہ نگار اور خان محمد علی کی نظر میں جہاں تک پارٹی مجلس شوریٰ کی صدارت کی بات ہے تو اس سے موجودہ صدر پارٹی تلموش اور اربکان کے مابین اختلاف بڑھے گا، اس لئے کہ اربکان ہر چیز پر حاوی رہنا چاہتے ہیں، اس میں وہ کسی کی شرکت گوارہ نہیں کرتے رجب طیب اردوغان اور عبداللہ گل کی ان سے علیحدگی بھی اسی مزاج کی وجہ سے ہوئی تھی اور جب تلموش اربکان کے معاون کے عہدہ پر تھے اس وقت بھی ان دونوں میں اختلاف اس قدر بڑھا تھا کہ تلموش کو استعفیٰ دینا پڑا تھا۔ نیز پارٹی کو ایک جامع وشامل واضح پروگرام کی ضرورت بھی ہے جو اب تک اس کے پاس نہیں ہے، اسی لئے وہ آخری میونسپل الیکشن میں اپنا پروگرام پیش کرنے کے بجائے العدالۃ والتنمیۃ پارٹی پر تنقید کرتی رہی، اس کے پاس باصلاحیت ارکان اور جماعتی کیڈر بھی نہیں ہے، اس کے بیشتر ارکان العدالۃ والتنمیۃ پارٹی کے برخلاف متوسط درجہ کی تعلیم وثقافت کے دیندار لوگ ہیں، اس لئے السعادۃ پارٹی کی ترقی وپیشقدمی اس کے اداروں پر قائم پارٹی بننے پر موقوف ہے۔ بہرحال اربکان کی سیاسی میدان میں واپسی سے مختلف سطحوں میں کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں، جہاں العدالۃ والتنمیہ پارٹی کا تعلق ہے تو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے السعادۃ پارٹی کو بڑی تقویت حاصل ہوگی اور دونوں پارٹیوں کے مابین سخت مقابلہ ہوگا۔ جس کا العدالۃ والتنمیۃ پارٹی کی مقبولیت پر منفی اثر پڑے گا۔ اس کے برعکس دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوگا۔ اس لئے کہ اربکان اپنے قدیم اسلوب اور نعروں کے ساتھ میدان میں آئیں گے جواب عوام کو متحرک نہیں کرسکتے، آخر کار اس کا فائدہ العدالۃ والتنمیہ کے حق میں جائے گا۔ اس لئے یہ بات بعید نہیں ہے کہ حاکم پارٹی کی طرف سے اپنے معلم کی معافی تلافی کسی خاص غرض ومقصد سے ہی ہوئی ہو، مگر یہ قیاس آرائیاں بھی ہورہی ہیں کہ اس معافی میں ترکی سیکولر حلقہ کا ہاتھ ہے، خاص طور سے یہ فیصلہ لینے والا محکمہ عدالت سیکولر طبقہ کا بڑا قلعہ ہے، چنانچہ اربکان کی واپسی حاکم پارٹی العدالۃ والتنمیہ کے لئے چیلنج ہوسکتی ہے اس طرح دو اسلامی جماعتیں آپس میں مقابلہ آرا ہوں گی تو اس کا راست فائدہ سیکولر پارٹیوں کو ملے گا، حالیہ میونسپل انتخابات میں یہی دیکھنے کو ملا کہ فوج کے مشورہ سے خراب اختلاف کی دو بنیادی پارٹیوں حزب الشعب الجمہوری اور حزب الحرکۃ القومیۃ نے حاکم پارٹی العدالۃ والتنمیہ کے مقابلہ میں دونوں کے اُمیدواروں میں سے طاقتور اُمیدوار کو اجتماعی ووٹ دینے کا سمجھوتہ کرلیا، جس کا نقصان العدالۃ کے ماتحت میونسپلٹیوں کے ہاتھ سے نکل جانے کی شکل میں سامنے آیا۔

اورخان کے مطابق سیکولر حلقہ العدالۃ اور السعادۃ کے درمیان زبردست مقابلہ آرائی کی توقع کررہا ہے۔ جس کا اس نے ذرائع ابلاغ عامہ میں اظہار بھی کیا ہے اور آخری میونسپل انتخابات میں السعادۃ کے بہتر کارکردگی پیش کرنے کو خوب اچھالا بھی گیا، اس لئے کہ اس کی واپسی سیکولر حلقہ کے حق میں ہے۔ السعادۃ جو بھی پیش رفت کرے گی وہ ظاہر ہے کہ العدالۃ کے حساب پر کرے گی۔ اسی طرح السعادۃ کو جو نئے ووٹر ملیں گے وہ بھی العدالۃ کے حلقہ میں سے ملیں گے۔ لیکن خان کے خیال میں السعادۃ کی پیشرفت بہت معمولی ہوگی جس کا العدالۃ کے توازن پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (ہفت روزہ الامان، بیروت)

بقیہ: نماز کی حقیقت

چاہتے ہیں تو جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہمارے دین کی حفاظت کے لئے بنادیا ہے اوراسے ہمارے لئے قوی ومستحکم قلع بنادیا ہے، اس کو عمل میں لاؤ اور وہ نماز ہے۔

نماز دین کا ستون ہے، نماز ہی ایسی چیز ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت رکھی ہے کہ جس سے تقاضائے ایمانی پیدا ہوتے ہیں، اور شرف انسانیت کا شعور پیدا ہوتا ہے، مگر ہم لوگوں نے اسے روزمرہ کا ایک معمول سمجھ لیا ہے اور اس کی کوئی قدر اور اہمیت ہمارے اندر نہیں اور یہ ہماری بڑی محرومی ہے۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ وصال کے وقت آخری وصیت جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے فرمائی تو وہ یہ ہے: یعنی نماز کی پابندی کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھو یہ بات دو مرتبہ ارشاد فرمائی اسی سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آخری وقت بھی نماز ہی کی تاکید فرما رہے ہیں معلوم ہوا کہ ہمارا ایمان صلوٰۃ ہی کی پابندی سے محفوظ ہے، اس کی بڑی قدر کرو۔

نماز ترک کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے یہ اللہ جل شانہٗ کی حکم عدولی ہے کہ دنیا میں بھی اسی کا وبال بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بڑی سنگین سزا ہے، اپنے وقت کا انضباط کرلو انشاء اللہ اس سے بڑی برکت ہوتی ہے اور سب ضروری کام آسان ہوجاتے ہیں اور دل میں سکون رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز سے زیادہ اہم ایمان کے بعد کوئی چیز نہیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہماری مسجدیں ویران ہیں امت کا ایک فیصد طبقہ بھی نمازی نہیں جب ہم نے نماز جیسی اتنی بڑی عبادت ہی کو جو ایمان کا ستون ہے ترک کردیا تو ہم سے بڑا کون مجرم ہوسکتا ہے، حالانکہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام ابن قیم جوزی، امام عبداللہ ابن المبارک، امام اسحٰق ابن راہویہ، امام ابن تیمیہ، امام ابن منصور (رحمہم اللہ) کی تحقیق کی مطابق علماء متقدمین کی اکثر اور مؤخرین کی بڑی تعداد جان بوجھ کر اور سستی کی وجہ سے فرض نماز کے ترک کرنے والے کو کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں، اگر توبہ کریں تو ٹھیک ورنہ اسے سزا میں قتل کردینے کو لازم قرار دیتے ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ اور اصحاب رائے اور امام سفیان ثوری، امام مزنی وغیرہ اسے کافر اور واجب قتل نہیں قرار دیتے ہیں، مگر یہ لوگ اسے سخت سزا دینے کے قائل ہیں۔ عبداللہ سنقیطی فرماتے ہیں: عمداً تساہلاً وتغافلاً نماز کو ترک کرنے والا کفر اصغر کا شکار ہوجاتا ہے، یعنی کفر کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے۔ (حکم تارک الصلوٰۃ: ۲۱)

بے نمازی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنصیب کہا ہے، حدیث میں ایک مرتبہ حضور اقدسؐ نے صحابہ سے پوچھا بدنصیب کون ہے؟ صحابہ نے کہا اور اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں تین مرتبہ کہا اور پھر فرمایا بدنصیب بے نمازی ہے، کیوں کہ اس کو دنیا اور آخرت سے کوئی حصہ نہیں۔ (قرۃ العیون)

اے مسلمانو! نماز کا مکمل اہتمام آج ہی سے شروع کردیجئے اپنے پچھلے گناہوں پر توبہ کیجئے آج ہی قضا نمازوں کا اندازہ لگا کر پڑھنا شروع کردیجئے، اپنے متعلقین ومتوسلین کو بھی نماز پر آمادہ کیجئے، رب کعبہ کی قسم اگر ہم سب مل کر آج یہ عہد کریں گے تو اپنی مسجدوں کو آباد کردیں گے، خشوع وخضوع اور پورے اہتمام کے ساتھ نماز باجماعت کا آغاز کردیں گے، تو ہمارے معاشرے کی دیگر چھوٹی بڑی برائیاں خود بہ خود فرو اور ختم ہونا شروع ہوجائے گی۔ کیونکہ قرآن کا اعلان ہے: ”نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔“ (عنکبوت: ۴۵) ●●

جغرافیائی اور سامراجی سرحدیں

گریبان......منوبھائی

بتایا گیا ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد کے نام نہاد ”زمانہ امن“ میں اور خاص طور پر کیپٹل ازم اور شوشلزم کے دو متحارب نظریات بلاکوں کی ”سرد جنگ“ کے خاتمے اور سوویت یونین کے ٹوٹنے کے دس سال بعد بھی امریکہ اپنے دفاعی یا جنگی بجٹ پر سالانہ پانچ سو پندرہ ارب (پانچ کھرب پندرہ ارب) ڈالرز خرچ کررہا ہے جو ”سرد جنگ“ کے زمانے کے خرچے سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ عراق اور افغانستان کے مزاحمت کاروں کے خلاف جنگ پر امریکہ اس وقت بھی بارہ ارب ڈالر ماہوار یعنی ایک سو چوالیس ارب ڈالر سالانہ خرچ کررہا ہے۔ حالیہ مالیاتی بحران کی زد میں آکر ”ہاں ہاں“ کرنے والے سرمایہ داری نظام کے قبلہ امریکہ کے لئے یہ خرچ ناقابل برداشت ہوچکا ہے مگر دنیا پر اپنی دہشت گردی کا رعب قائم رکھنے کے لئے امریکہ کے لئے یہ خرچہ برداشت کرنا ضروری ہی نہیں ناگزیر بھی ہے کیونکہ زخمی ہوجانے والے ڈائنا سور کیٹرے مکوڑوں اور چیونٹیوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔

بلاشبہ سیاہ جلد والے امریکی بارک حسین اوباما کا دنیا کی واحد سپر پاور کا صدر منتخب ہونا ایک بہت بڑا انقلابی واقعہ ہے مگر اس سے انقلاب برپا نہیں ہوسکتا۔ سابق صدر بش اور نائب صدر ڈک چینی کی جنگی پالیسیاں تبدیل ہوسکتی ہیں مگر سامراجی مقاصد اور سرمایہ داری اہداف نہیں بدل سکتے۔ مطالبہ کیا گیا ہے یا مشورہ دیا گیا ہے کہ بارک اوباما امریکہ کے دفاعی یا جنگی بجٹ میں آدھی سے زیادہ کمی کردیں اور عراق اور افغانستان سے امریکی فوجوں کو واپس لائیں اور ان علاقوں میں خرچ ہونے والے ڈالروں کو امریکی شہریوں، فوجیوں اور سابق فوجیوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے استعمال کریں مگر امریکی صدر بارک اوباما اگر چاہیں بھی تو ایسا نہیں کرسکتے، سامراجی نظام میں رہتے ہوئے سامراجی نظام کو تبدیل نہیں کرسکتے اور جب تبدیلی نہیں کرسکیں گے تو خود اپنے آپ کو اس نظام کے مطابق تبدیل کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ساؤتھ ڈکوٹا کے سابق سینٹر جارج گلوان کہتے ہیں کہ پانچ کھرب پندرہ ارب ڈالروں کا امریکی دفاعی بجٹ دنیا کے دیگر تمام ملکوں کے مجموعی فوجی اخراجات سے زیادہ ہے اور سرد جنگ کے ختم ہوجانے اور سوویت یونین کے ٹوٹ جانے کے بعد امریکہ کو اتنے بڑے اور بھاری دفاعی بجٹ کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ موجودہ فوجی طاقت کے آدھی طاقت کے ساتھ ہم امریکہ کی سرحدوں کی حفاظت کرسکتے ہیں کیونکہ ہمیں اس وقت دنیا کے کسی بھی ملک اور قوم کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ سابق امریکی سینٹر نے یہ بھی یاد دلایا ہے کہ بلاشبہ امریکہ کو دہشت گردوں کی جانب سے خطرات لاحق ہیں مگر دہشت گردوں کے پاس کوئی جنگی جہازوں کا بیڑا، بمبار طیارے، میزائلز، ٹینک اور بھاری توپ خانہ نہیں ہے۔ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کی دہشت گردی میں سعودی عرب اور مصر کے انیس دہشت گرد جس ہتھیار کو استعمال کررہے تھے وہ ٹین کے ڈبے کا ڈھکنا کھولنے والے (Box Cultters) تھے جن کے ذریعے انہوں نے امریکی ہوا بازوں کو مجبور کیا کہ وہ مسافر طیارے ان کے حوالے کردیں اور پھر ان طیاروں کو انہوں نے بطور ہتھیار استعمال کیا۔

امریکہ کے نئے حکمرانوں کو یقین دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دفاعی یا جنگی بجٹ سے بچ جانے والے فنڈز کو ہم قومی صحت کے منصوبوں اور تعلیم کے اعلیٰ معیار قائم کرنے پر خرچ کرسکتے ہیں، ماحولیات کے مسائل کو حل کرسکتے ہیں۔ امریکی نظام کے انفراسٹرکچر کو بہتر بنا کر ہم امریکی عوام کو پہلے سے زیادہ محفوظ اور مامون بناسکتے ہیں اور کچھ نہیں کرسکتے تو اپنے قومی قرضوں کی ادائیگی کو ہی آسان بناسکتے ہیں۔

ڈکوٹا کے سابق سینٹر کا کہنا ہے کہ انہیں عراق اور افغانستان میں امریکی فتوحات کی خبریں سننے سے زیادہ یہ دیکھنے میں راحت محسوس ہوگی کہ امریکہ نے اکیسویں صدی عیسوی میں ایک تیز ترین، محفوظ ترین اور صاف ترین ریلوے سسٹم تیار کرلیا ہے اوراس سسٹم کے ذریعے پورے ملک کے مسافروں کا سفر پہلے سے کہیں زیادہ آرام دہ اور پرسکون ہوگیا ہے۔ امریکی باشندوں کی بھاری اکثریت تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں سے کہیں زیادہ آرام دہ سفر کو ترجیح دیتے ہیں۔

سابق سینٹر نے امریکی کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کی بات کی ہے مگر امریکہ

باقی صفحہ ۸ پر

بقیہ: عراقی سائنس داں اور ماہرین بھی نشانے پر

دان بھی تھے جو بکنا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے لالچ کو قبول کرنے سے انکار کردیا جس پر اُنہیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دی گئیں۔ مجبور ہوکر اُنہیں ان عراق دشمنوں کے لئے کام کرنا پڑا۔ بھاگ جانے والی شخصیات کا تعاقب اور ہلاکت کی وہ لرزہ خیز داستانیں ہیں جس پر انسانیت بھی شرما جاتی ہے۔ امریکہ، اسرائیل اور دیگر مغربی طاقتیں اس امر کی خواہاں ہیں کہ عراق کو سائنسی ماہرین، اسکالرز اور مختلف شعبوں کے ماہرین سے مکمل آزاد کردیا جائے۔ عراق کے نوادرات اور عجائب گھروں تک کو نہیں بخشا گیا۔ عراق کی ثقافت، تشخص اور علمی وتحقیقی ماہرین سے پاک کرنا یورپ اور یہود کا مقصد عظیم ہے۔ اس کی تائید اقوام متحدہ نے بھی کی ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عراق کے اندر اعلیٰ تعلیم کے ۸۴ فیصد اداروں کو امریکی قبضے کے بعد جلادیا گیا یا مکمل طور پر لوٹ لیا گیا۔ امریکہ نے عراق کو کھنڈر بنا ڈالا۔ اب اُس نے اگست ۲۰۱۰ء تک نصف فوج کے انخلاء کا اعلان کیا ہے، لیکن یہ صرف دنیا کی زبان چپ کرانے کا ایک بہانہ ہے۔ عراق کے بدتر حالات اور تشدد کے لئے امریکہ ذمہ دار ہے۔

امریکہ کے عراق پر قبضے کے چھ سال گزر گئے ہیں مگر بحران سنگین سے سنگین تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ جن مہلک ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر عراق کو مسمار کردیا گیا، وہ ہتھیار کہیں سے برآمد نہ ہوئے۔ خود امریکی اداروں کی رپورٹس کے مطابق ہتھیاروں کی خبر صرف بش کا ایک بہانہ تھا جو اُس نے عراق پر چڑھائی کے لئے بنایا۔ عراق کے وسائل پر قبضہ اور عراقی ذہین شخصیات کا خاتمہ امریکہ کا ہدف تھا جو اس نے خاصی حد تک حاصل کرلیا ہے۔ ●●

POSTED ON 8 June 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. ۱۰؍جون ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2000 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

احوال وکوائف

امریکی صدر کا مسلم دُنیا سے دوسرا خطاب

شفیق الرحمن

امریکی صدر بارک حسین اوباما پچھلے دنوں ایک بار پھر بیرونی دنیا کے ایک سفر پر نکلے تھے، یوں تو انہوں نے چار ملکوں کا سفر کیا لیکن مشرق وسطیٰ کا دورہ ہی بہ ایں معنی سب پر حاوی رہا کہ ہر خاص وعام کی زبان پر اس کا ذکر رہا، ان کا پہلا پڑاؤ ریاض تھا جہاں انہوں نے سعودی عرب کے شاہ عبداللہ سے ملاقات کی، اس کے بعد وہ قاہرہ پہنچے، وہاں سے جرمنی اور فرانس ہوتے ہوئے واپس واشنگٹن آگئے، ان کے اس دورے کی خبر کافی پہلے دنیا کو دے دی گئی تھی۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس دورے کا مقصد کیا ہے، وہ اس سے کیا چاہتے ہیں، انہوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ یہاں سے مسلم دنیا سے خطاب کریں گے اور اپنے اس خطاب میں معاصر مسلم دنیا سے کچھ صاف صاف باتیں ہوں گی، اس لئے بہت پہلے سے اس پر گفتگو، قیاس آرائی اور پیش بینی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، اسی دوران دنیا میں بعض ایسے واقعات بھی ہوئے جنہوں نے ان کی صاف صاف باتوں کی اہمیت بڑھا دی تھی۔ مثلاً عہدہ سنبھالنے کے بعد ان کی اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نتن یاہو اور فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ محمود عباس سے ملاقات، اس سے قبل پاکستانی اور افغانی صدر سے ملاقات، شمالی کوریا کی جانب سے جوہری تجربات کے ساتھ ساتھ میزائل کے تجربات بھی کئے گئے، ایران نے بھی ایک تجربہ کیا اور ہندوستان نے بھی اگنی میزائل کا تجربہ کیا۔ ان تمام واقعات کا تعلق کسی نہ کسی تنازعے سے تھا، اور بتایا جاتا ہے کہ صدر امریکہ کے اس دورہ کا مقصد بھی تنازعات کی وجہ سے پیدا شدہ کشیدگی کو کم کرنا، غلط فہمیوں کو رفع کرنا اور انسانی رشتوں میں پائی جانے والی ناہمواریوں کو دور کرنے کی ایک فضا تیار کرنا تھا۔ انہوں نے صدارت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی یہ خبر دی تھی کہ وہ مسلم دنیا کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی خواہش رکھتے ہیں اور بہت جلد مسلم دنیا سے براہ راست خطاب کریں گے اور اس کو انہوں نے اپنے پہلے سو دنوں کی مصروفیات میں شامل کیا، جب انہوں نے اس کا اعلان کیا تو یہ تجسس پیدا ہوا کہ اس مشن کے لئے وہ کس مسلم ملک کا انتخاب کریں گے، قرعہ فال ترکی کے نام نام نکلا اور جب انہوں نے پہلی مرتبہ امریکی صدر کی حیثیت سے گھر سے باہر قدم نکالا تو براہ لندن، پراگ وغیرہ ہوتے ہوئے وہ استنبول پہنچے، مسلم دنیا سے وہ ان کا پہلا خطاب تھا اور یہ واقعہ ۶؍اپریل کا ہے، اس خطاب میں بھی انہوں نے مسلم دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ امریکہ، مسلم دنیا سے خوشگوار تعلقات کا خواہاں ہے، وہاں کی بعض باتیں انہوں نے قاہرہ خطاب میں بھی دہرائی ہیں۔ مثلاً ترکی میں بھی انہوں نے کہا تھا کہ امریکہ اسلام اور مسلم دنیا کا دشمن نہیں ہے نہ اس کی اسلام کے ساتھ کوئی جنگ جاری ہے مسلم دنیا کے ساتھ امریکی صدر کے براہ راست ان دونوں خطابوں کے درمیان دو ماہ کا وقفہ ہے۔ آخر اس دوسرے خطاب کی انہیں ضرورت کیوں پیش آئی، پہلے خطاب کے لئے انہوں نے ترکی کا انتخاب کن بنیادوں پر کیا تھا اور اب قاہرہ کو کیوں چنا؟ ●●

بقیہ: اختلافات کو ہوا دینے کی امریکی سازش

کے سامنے شاپنگ کمپلیکس میں اسرائیلی اور یہودی کمپنیاں کاروبار کررہی ہیں اور اس سے ملنے والے فائدے کی رقم کو فلسطینی بے گناہوں پر ہونے والی فوجی کارروائیوں پر خرچ کیا جارہا ہے۔ امریکہ- اسرائیل اور مغربی ممالک نے عرب ملکوں کی حکومتوں اور عوام کو اپنے پروپیگنڈے سے اس قدر متاثر کیا ہے کہ ایران کے پرامن ایٹمی پروگرام کو ایٹم بم کا پروگرام بنا کر پورے خطے میں ایران مخالف ماحول بنا کر مسلسل ہتھیار فروخت کئے جارہے ہیں۔ عرب ملکوں کی حکومتوں اور عوام کو پروپیگنڈے کے ذریعہ ورغلایا جارہا ہے جس کی وجہ سے یہ ممالک ایران دشمنی میں اسرائیل کو دوست سمجھنے لگے ہیں۔

واضح رہے کہ ۱۹۷۹ء میں ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ۱۹۸۰ء میں عراق کے صدر صدام حسین سے ایران پر حملہ کرایا تھا۔ یہ جنگ آٹھ برس تک جاری رہی۔

اس وقت بھی امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اسے مبینہ طور پر شیعہ انقلاب کے خلاف سنیوں کی جنگ کا نام دیا تھا اس وقت شام کے علاوہ تمام عرب ملکوں نے صدام کی ایران مخالف جنگ میں تمام سازو سامان اور مالی مدد دی تھی۔ اس کے بعد صدام نے اپنے ہی ایک محسن ملک کویت پر قبضہ کیا اور اس کے بعد اس پورے خطے میں کس قدر تباہی ہوئی وہ سب کے سامنے ہے۔ اس جنگ کے بعد جو حالات ہوئے اس کے نتیجے میں کویت نے امریکہ کو نجات دہندہ دوست ملک سمجھ کر خط غلامی لکھ دیا اور تیل کے ذخائر کو امریکی کمپنیوں کے ہاتھوں رہن رکھ دیا۔

اس کے بعد صدام کا جس طرح خاتمہ اور عراق پر قبضہ کیا گیا وہ سب کے سامنے ہے۔ اب اکثر عرب ممالک میں امریکی اور مغربی افواج دوست یا دشمن کے طور پر موجود ہیں۔ اس پورے خطے میں صرف ایران ہی ایسا ملک ہے جو غیر ملکی افواج کی موجودگی اور ان کی مداخلت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے ایران کی احمدی نژاد حکومت کو ختم کرنے کی امریکہ کی جانب سے کوشش جاری ہیں۔ امریکہ اب تک یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ایران میں جو بھی صدارتی عہدے کے لئے منتخب ہوگا وہ اسلامی انقلاب کی روح کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ ●●

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ کی رضا کے ساتھ خداوند عالم کی خوشنودی وابستہ ہے اور باپ کے غصے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

کلیاتِ حفیظ

از: حفیظ میرٹھی

تحریک اسلامی کے ہردل عزیز شاعر حضرت حفیظ میرٹھی کی

● محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار کرنے والی نعتوں،
● صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق ووابستگی پیدا کرنے والی منقبتوں،
● قاری کو آفاقی پیغام دینے والی فکر انگیز غزلوں،
● بصیرت افروز نظموں
اور
● بعض دوستوں کے اصرار پر کہے گئے سہروں اور الوداعی نگارشوں کا دل کش مجموعہ۔

واضح رہے کہ ''کلیات حفیظ'' میں حفیظ میرٹھی کے دونوں شعری مجموعوں (شعر وشعور اور متاع آخر شب) کو بھی شامل کیا گیا ہے اور ان تمام دریافت شدہ شعری تخلیقات کو بھی جو کسی وجہ سے ان مجموعوں میں نہیں شامل ہوسکیں۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ☆ صفحات: ۲۴۰ ☆ قیمت: Rs.150/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652 Fax : 26950975, 26947858
E-Mail: mmipublishers@gmail.com Website: www.mmipublishers.net

ایران کی آواز

عرفان صدیقی

◎

بیسویں برسی کی تقریبات کی ''تقریب بزرگ'' تمام ہوگئی۔ تہران سے کوئی پندرہ کلومیٹر باہر، بہشت زہرا قبرستان کے نواح میں امام خمینی کا عظیم الشان مقبرہ ہے۔ کئی ہزار ایکڑ پر مشتمل رقبے کے بیچوں بیچ، مزار سے ملحقہ تعمیرات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ حکومت ایران کے مہمان، دو فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ٹھہرائے گئے۔ دس بڑی بسوں کے ذریعے چار سو کے لگ بھگ ''مہمانان عزیز'' کو صبح نو بجے مخصوص احاطے میں پہنچادیا گیا۔ ایران کی پوری قیادت، بیرونی ممالک کے سفیر، صدر احمدی نژاد اور اُن کی کابینہ کے وزراء اسی منطقے میں تشریف فرما تھے۔ بڑی تقریریں صرف دو تھیں، ایک امام خمینی کے دونوں ہاتھوں میں دو پرچم تھے ایک احیائے اسلام کا پرچم اور دوسرا ایران اور ایرانیوں کی عظمت وسربلندی کا پرچم، ایران کے انقلاب اسلامی نے ساری دنیا کے دل گرفتہ مسلمانوں کو نیا حوصلہ دیا جس کی مثالیں فلسطینی انتفاضہ اور لبنانی مزاحمت کی شکل میں ظاہر ہوئیں، عالم اسلام نے اپنی رگوں میں نئی توانائی محسوس کی۔ اس کے شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی تخلیقات میں امید اور یقین کا رنگ پیدا ہوا۔ امریکہ کی نئی حکومت تبدیلی کی بات کرتی ہے لیکن معاملات صرف میٹھی باتوں سے درست نہیں ہوں گے۔ نعروں کو عمل میں بدلنا ہوگا۔ بش کی پالیسیاں احمقانہ، وحشیانہ، غاصبانہ، تسلط پسندانہ اور کھلی مداخلت پر مبنی تھیں۔ اس نے جنگ دہشت گردی کے نام پر دو اسلامی ممالک، عراق اور افغانستان کو تہس نہس کردیا جہاں روزانہ ایک نہیں، دو نہیں، سیکڑوں انسان اُس کے حملوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ امریکہ کوئی مثبت پیغام دینا چاہتا ہے تو ان پالیسیوں کو بدلے۔ ایٹمی صلاحیت کا حصول ہمارا حق ہے۔ جو چیز امریکہ اور دوسرے اہل مغرب کے لئے حلال ہے وہ ہمارے لئے ممنوع اور حرام کیوں قرار دی جارہی ہے؟ امریکہ اسرائیل کے ہر اقدام کی سو فیصد حمایت کرتا اور فلسطینیوں کے ردعمل کو ''کار شرارت'' قرار دیتا ہے۔ امریکہ کی نئی حکومت اپنا چہرہ بدلنا چاہتی ہے۔ تو یہ سب کچھ تبدیل کرے۔'' اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے ایرانیوں سے اپیل کی کہ وہ انتخابات میں بھرپور حصہ لیں۔ یہ اُن کی قومی، اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے کہا کہ چاروں صدارتی امیدواروں کا مطلوب ومقصود ایک ہے۔ آپ لوگ جسے بہتر سمجھتے ہوں ووٹ دیں۔ میرا صرف ایک ووٹ ہے اور وہ کوئی نہیں جانتا کہ میں کسے دوں گا۔ انہوں نے نوجوانوں سے خصوصی اپیل کی کہ وہ انتخابی مہم کو پُرامن رکھیں۔

راہبر کی تقریر کے دوران بار بار پر جوش نعرے لگتے رہے جن میں ''مرگ برامریکہ'' اور مرگ براسرائیل کے نعرے نمایاں تھے۔ اگرچہ یہ ایک غیر سیاسی، روحانی یا دعائیہ تقریب تھی لیکن وقفے وقفے سے احمدی نژاد کے حق میں بھی نعرے بلند ہورہے تھے۔ بڑی تعداد میں لوگ صدر احمدی نژاد کی تصاویر بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے قریب بیٹھے ایک شخص سے پوچھا وہ کہنے لگا'' یہ سب مذہبی لوگوں کا اجتماع ہے اور سارا مذہبی حلقہ احمدی نژاد کا حامی ہے۔'' یہ ایک پراثر اور پرجوش تقریب تھی۔ راہبر کی تقریر پالیسی بیان کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ ایران، امریکہ کے بارے میں اپنی سخت گیر پالیسی میں نرمی لانے کو تیار ہے بشرطیکہ صدر اوباما سنجیدگی کا مظاہرہ کریں اور بش کی پالیسیوں میں تبدیلی کا واضح عملی اشارہ دیں۔

تقریب میں صدر احمدی نژاد اور میر حسین موسوی ایک دوسرے کے قریب بیٹھے تھے۔ گزشتہ شب ہی اُن کا ٹی وی مباحثہ ہوا تھا۔ مبصرین کا خیال ہے کہ احمدی نژاد نے قدرے جذباتی پن کا مظاہرہ کیا جب کہ موسوی کا رویہ پُروقار تھا۔ لوگ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ صدر احمدی نژاد نے بلاوجہ ذاتی حملے کئے اور محمد خاتمی اور ہاشمی رفسنجانی کو تنقید کا نشانہ بنایا یہ رائے بھی پائی جاتی ہے کہ میر حسین موسوی کا کوئی بھی جملہ کارگر ثابت نہیں ہوا احمدی نژاد نے عوامی اسلوب اختیار کرکے اپنے حلقے کو خاصا متاثر کیا ہے۔ ٹیلی ویژن پر حسین موسوی کی ''بدن بولی'' (Body Language) مجھے احمدی نژاد کی نسبت زیادہ معتبر لگی۔ لیکن ایک دن قبل پرانے پارلیمنٹ ہاؤس میں صدر احمدی نژاد کے خطاب نے مجھے ہی نہیں، شرق وغرب سے آئے سارے مہمانوں کو نہال کردیا۔ یہ تقریب مہمانوں کی صدر احمدی نژاد سے ملاقات کے لئے تھی۔ مہمان، ارکان اسمبلی کی کرسیوں پر براجمان تھے۔ گیلری پر اُن درجنوں ارکان اسمبلی کی تصاویر لگی تھیں جو ۲۸ جون ۱۹۸۱ء کے بم دھماکے میں جاں بحق ہوگئے تھے۔ احمدی نژاد کسی کرّ وفر کے بغیر عین وقت پر ہال میں داخل ہوئے اور پھر ایک سحر تھا کہ چھاتا چلا گیا اور سامعین تھے کہ مجسموں میں ڈھلتے چلے گئے۔ تقریر فارسی میں تھی جس کا فرانسیسی یا انگریزی ترجمہ ہیڈفون پر سنا جاسکتا تھا۔ چھوٹے سے قدوقامت کا منحنی سا شخص کسی گھن گرج کے بغیر بولے جارہا تھا اور اس کی دھڑکنیں، سیکڑوں افراد کی دھڑکنوں سے گلے مل رہی تھیں۔ ''آیت اللہ خمینی کی تحریک، نسلی قبائلی، سیاسی یا جغرافیائی نہ تھی، یہ محمد مصطفیٰ کی تحریک کا تسلسل تھی جس کا مقصود احترام آدمیت، شرف انسانیت، انصاف، مساوات، انسان دوستی، صداقت اور محبت کا فروغ تھا۔ جو ظلم، جبر اور قہر کی قوتوں کے خلاف تھی۔ یہ تحریک ہمیشہ جوان رہے گی۔ یہ کون لوگ ہیں جو لبرل ازم کی باتیں کرتے ہیں؟ جو لبرل ڈیموکریسی کی باتیں کرتے ہیں؟ صدیوں سالوں سے دو تین جماعتیں قابض ہیں۔ تین چار ہزار مفاد پرستوں کا ٹولہ ہے جو نام بدل بدل کر حکمرانی کرتا ہے۔ اقتدار میں آنے کے بعد یہ عوام کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ میڈیا، اکانومی، سیاست سب پر مخصوص لوگوں کا قبضہ ہے۔ انتخاب جیتنے کے بعد یہ ایک سو اسی ڈگری کا ٹرن لے لیتے ہیں۔ یہ لبرل ڈیموکریسی، کسی طرح کی اخلاقیات اور انسانی اقدار پر یقین نہیں رکھتی۔ ان لوگوں نے مذہب کو اسی لئے سیاست سے خارج کردیا ہے کہ انہیں کسی طرح کی اخلاقیات اور الہامی اقدار کا پابند نہ رہنا پڑے۔ ہولوکاسٹ (یہودیوں کے قتل عام) کو انہوں نے آسمانی کتابوں اور پیغمبروں سے بھی زیادہ ہولی (مقدس) بنادیا ہے۔ پیغمبروں کی شان میں گستاخی ہو تو کہتے ہیں یہ ''اظہار رائے کی آزادی ہے'' اور کوئی تاریخ کے سب سے بڑے ڈھکوسلے ہولوکاسٹ'' کے بارے میں بات کرے تو اس کی جان کے درپے ہوجاتے ہیں۔ فلسطین میں عورتوں اور معصوم بچوں کا قتل عام کرتے ہیں اور پھر ایک عورت ٹی وی پر آکر کہتی ہے ''ہم اس لئے قتل کرتے ہیں کہ یہ آگے سے مزاحمت کرتے ہیں''۔ ان لبرل فلاسفروں نے اقتدار کو کھلونا بنالیا ہے۔ اسرائیل تاریخ کی سب سے سفاک حکومت ہے اور لبرل ڈیموکریسی کا علمبردار امریکہ اس کا پشت پناہ ہے۔ یہ لبرل ڈیموکریٹ فلسطینیوں کو دہشت گرد کہتے ہیں۔ مارکسزم اپنی موت مرچکا، اب یہ لبرل ازم بھی گورکنارے پر آلگا ہے۔ یہ معاشی جادوگری دکھاتے، ہمارے وسائل پر قبضہ کرتے، ہماری دولت سمیٹتے اور بدلے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا دیتے ہیں، جسے ''ڈالر'' کہتے ہیں۔ اب یہ ڈالر سسکیاں لے رہا ہے۔ اب رعونت جبر اور جھوٹ کا زوال شروع ہوچکا ہے۔ کہ یہی قانون فطرت ہے۔ مسلمانوں کو متحدہ ہوکر اپنے آفاقی فلسفے، اپنی عظیم اقدار کے ذریعے یہ خلاء پُر کرنا ہوگا۔ شیطان کبھی نہیں سوتا، ہر پل جاگتا رہتا ہے۔ ہم نہ جاگے تو یہ لوگ کسی نئے پرکشش پیکج کے نام پر کوئی نیا ابلیسی نظام لے آئیں گے۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمن
سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

اعلان داخلہ

مرکزی درس گاہ اسلامی، رام پور
(حکومت سے منظور شدہ)
(A residential School of Islamic & Modern Education)

خصوصیات

★ درجہ ایک تا جونیئر ہائی اسکول کی تعلیم کے علاوہ ہائی اسکول کلاسیز کی تعلیم کا بہترین بندوبست۔
★ اسلامیات کے ساتھ سائنس، ریاضی، کمپیوٹر، تاریخ وجغرافیہ، اُردو ہندی وانگریزی اور عربی کی معیاری تعلیم۔
★ بیرونی طلبہ کی رہائش اور خوردونوش کے لئے صاف ستھرے بورڈنگ ہاؤس اور مطبخ کا نظم
★ پُرسکون ماحول میں دینی تربیت اور اسپورٹس انچارج کی نگرانی میں کھیل کود کا انتظام
★ شخصیت کی ہمہ پہلو ترقی کے لئے جامع نظام، نظم وضبط پر خصوصی توجہ
★ تجربہ کار اور ٹرینڈ اساتذہ۔
★ داخلے کے لئے رجسٹریشن شروع ہوچکے ہیں۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ ۴؍جولائی ۲۰۰۹ء ہوگی۔
★ نئی میقات کا آغاز یکم جولائی ۲۰۰۹ء سے ہوگا۔
★ داخلہ فارم مع پراسپیکٹس ۱۰۰ روپئے منی آرڈر بھیج کر حاصل کیا جاسکتا ہے

نوٹ: جدید داخلوں کیلئے Admission Test ۵؍جولائی ۲۰۰۹ء بروز اتوار منعقد ہوگا۔

پرنسپل مرکزی درسگاہ اسلامی
دو محلہ روڈ، رامپور (یوپی)، موبائل 09219558938

جموں وکشمیر یتیم خانہ سری نگر
ایک تعارف

یہ ادارہ ★ دو ہوسٹل چلاتا ہے جن میں چار سو یتیم بچے رہتے ہیں ★ یتیموں کے لئے ایک چیریٹیبل ہائر سکنڈری اسکول چلاتا ہے ★ مختلف آبادیوں میں دستکاری کے ساتھ چیریٹیبل مراکز چلاتا ہے ★ چار سو بیواؤں کو ماہانہ امداد دیتا ہے ★ ایک سو معذور افراد کو مالی امداد فراہم کرتا ہے ★ یتیم بچیوں کو مالی امداد دے کر شادی کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ★ تعلیم کے لئے سو یتیم بچیوں کی مدد کرتا ہے ★ ہائیر اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے منتخب شدہ یتیم بچوں کی مالی امداد کرتا ہے ★ غریب، نادار اور محتاج مریضوں کی روزانہ امداد کرتا ہے

اس یتیم خانے کا معائنہ کیجئے

اور ہماری عملی خدمات اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔ ہر چیز کھلی ہے، حسابات چیک ہوتے ہیں۔ ۰۹-۲۰۰۸ء کا بجٹ تقریباً دو کروڑ روپے ہے۔ ہم اپنی یہ خدمات بلالحاظ مذہب وملت پیش کرتے ہیں۔ بس آخرت میں اچھے اجر کی طلب اور دوزخ سے پناہ مطلوب ہے۔

اپنے عطیات اس نام سے بھیجیں
"J & K YATEEM KHANA, A/C No. SB7378"
JK Bank, Chawri Bazar, Delhi-110006

ایس اے بخاری (چیئرمین)
09419059772

Jammu & Kashmir Yateem Khanah (Orphanage)
Bemina - Chatabal Crossing, Srinagar - 190010
Ph.: 0194 - 2471707, Mob.:09419056249, 09419059133,
Fax:0194-2481056

بقیہ: جغرافیائی اور سامراجی سرحدیں

کی جغرافیائی سرحدوں سے کہیں زیادہ سامراجی مقاصد اور مفادات کی سرحدیں ہیں اور سامراجی مقاصد اور مفادات کے تحت جنگوں کو بھی نفع بخش کاروبار کی صورت میں اختیار کیا جاتا ہے۔ پہیے کی ایجاد سے پنسلین کی دریافت تک اور کمپیوٹر کی ایجاد سے ''جنیٹک کوڈ'' کی دریافت تک انسانی ذہن کی ہر کوشش کو انسانوں سے چھین کر سرمایہ داروں کے حوالے کردیا گیا ہے کہ وہ اسے اور انہیں اپنی نفع اندوزی کے لئے استعمال کریں۔ صحت اور تعلیم سے لے کر انصاف تک ہر انسانی ضرورت کو اس کی ''قوت خرید'' سے منسلک اور وابستہ کردیا گیا ہے ڈکوٹا کے سابق سینیٹر امریکہ میں جس تیز ترین، محفوظ ترین اور صاف ترین آرام دہ اور پرسکون ریلوے سسٹم کو متعارف کرانا چاہتے ہیں اس پر صرف سابق سینیٹر ہی سفر کرسکیں گے۔ امریکہ کے لوگوں کی واضح اکثریت اس ریلوے میں سفر کرنے کے لئے ٹکٹ نہیں خرید سکے گی۔ ●●

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

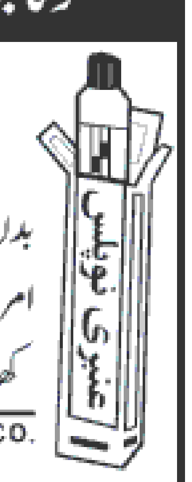

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

اسلامی علوم میں مہارت کا
سنہرا موقعہ

اسلامی اکیڈمی کا قیام چار سال قبل نئی دہلی میں عمل میں آیا تھا، سال رواں سے اس کے کورسز علی گڑھ میں منعقد ہوں گے، اسلامی اکیڈمی کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تو اسلام کے خلاف علمی وفکری تحریکوں اور افکار کا تنقیدی جائزہ لینا ہے، دوسرا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو برادران وطن میں اسلام کا تعارف معقول ومدلل طریقے سے پیش کرسکیں۔

پہلا کورس اہل فکر کا ہے جو یونیورسٹی کے ذہین اور باصلاحیت افراد کے لئے ہے اس کی مدت دو سال ہے یہ کورس عربی زبان وادب، تفسیر، علوم تفسیر، حدیث، علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ، حکمت دین، تاریخ اسلام اور تقابل ادیان پر مشتمل ایک مکثف (Intensive) کورس ہے۔ تفسیر میں منتخب سورتوں کی تفسیر، اصول تفسیر، تاریخ تدوین قرآن، حدیث میں منتخب احادیث کا مطالعہ، اسماء الرجال، جرح وتعدیل اور اصول تخریج وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں اس کورس کو کرنے کے بعد طلبہ میں اتنی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ عربی کتب سے براہ راست استفادہ کرسکیں۔ یہ کورس مکمل کرنے کے بعد طلبہ سماجی علوم میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کرتے ہیں اور ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کی علمی وفکری خدمت کے لئے وقف کریں گے۔

دوسرا کورس اہل دعوت کا ہے یہ کورس دینی مدارس کے فضلاء کے لئے ہے۔ یہ ایک سال کا مکثف (Intensive) کورس ہے۔ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد، افکار واقدار، ہندوستانی مذاہب، عیسائیت اور قادیانیت پر لکچرس دیے جاتے ہیں۔ اس میں اس کے علاوہ دعوت دین کے طریقے، ہندوستان میں دعوت اسلامی، اصول وطریق کار پر لکچرس ہوتے ہیں اور دعوت کی عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے اور بنیادی اسلامی علوم کا مطالعہ کرایا جاتا ہے۔

دونوں کورسز میں داخلہ کے لئے ایسے باصلاحیت افراد سے درخواستیں مطلوب ہیں، جن کا تعلیمی ریکارڈ اچھا ہو اور جو دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کے لئے تیار ہوں۔

درخواست دینے کی آخری تاریخ ۲۰؍جون ۲۰۰۹ء ہے۔ داخلہ تحریری امتحان اور انٹرویو کی بنیاد پر ہوگا، جن طلبہ کو انٹرویو کے لئے بلایا جائے گا ان کو سکنڈ کلاس کا ٹرین کا کرایہ دیا جائے گا۔ منتخب طلبہ کو رہائش کی سہولت کے علاوہ ۲۰۰۰ (دو ہزار روپیہ) ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے گا۔

خط وکتابت کا پتہ
سکریٹری اسلامی اکیڈمی
D-320، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی Ph. 011-65482979